نگار

قواعد رسالہ "نگار"

۱ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے
۲ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا
۳ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیئے۔ جنپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں
۴ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے
۵ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہئے
٦ سالانہ قیمت پانچ روپیہ۔ ششماہی تین روپیہ۔ بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ	نرخنامہ اجرت اشتہارات	تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	٦۰ روپیہ	۴۰ روپیہ	(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا (۳) ہر چھ ماہ	تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
چھ مرتبہ	٦۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۳ روپیہ	اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے	ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۸ روپیہ	۵ روپیہ

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

نگارستان
(دوسرا اڈیشن)
حضرت نیاز کے متعدد مضامین اور افسانے شامل کیے گئے ہیں نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کیے گئے۔
قیمت عـہ

گہوارۂ تمدن
(دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیائے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے۔ اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے۔ قیمت علاوہ محصول عـہ

شہاب کی سرگزشت
حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس زبان کی اسکی تخئیل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچی ہے قیمت علاوہ محصول عـہ

فراست الید
مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص آسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھکر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت عروج و زوال، موت و حیات، صحت و بیماری، شہرت و گمنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے قیمت علاوہ محصول عـہ

شاعر کا انجام
جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشاط بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں۔ علاوہ محصول ۱۰

جذبات بھاشا
جناب نیاز نے ایک نہایت عجیب کتاب بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کرکے انکی ایسی تشریح کی ہے کہ دل انتخاب ہو جاتا ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲

صحابیات
جسمیں عہد رسالت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات لکھے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نیاز کا خاص اپنی قلم کا لکھا ہے۔ قیمت علاوہ محصول عـہ

تذکرۂ خندۂ گل
مولفہ عبدالباری آسی جسمیں ۳۰ سے اوپر اردو فارسی کے ظریف شعراء کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف و نمونۂ کلام کے درج ہیں قیمت علاوہ محصول عـہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگار

جلد (۲۰) فہرست مضامین ماہ اگست ۱۹۳۱ء شمار (۲)

ملاحظات ________ ۲
مطالعۂ حدیث ________ حق گو ________ ۹
مصحفی اور داغ ________ افسر امروہوی ________ ۲۰
عشق کی گولیاں ________ مرزا فرحت اللہ بیگ ________ ۴۰
________ شوکت تھانوی ________
تیسری صدی ہجری کا ملحد اعظم ________ سلیم خیاط ________ ۵۲
نیا شوالہ ________ اختر اریوی ________ ۵۹
اقبالنامۂ جہانگیری کا ایک قلمی نسخہ ________ عبدالمالک آروی ________ ۶۳
مرزا کامران ________ سید بادشاہ حسن ________ ۷۳
باب الاستفسار ________ ۸۴
مطبوعات موصولہ ________ ۸۶
اے چاند (نظم) ________ روش صدیقی ________ ۹۲
دریا (نظم) ________ عدم ________ ۹۳
غزلیات ________ ۹۵

نگار

ایڈیٹر - نیاز فتحپوری

جلد ۲۰ اگست سنہ ۳۱ء شمار ۲

مُلاحظات

اصحاب علم وفضل ہمیشہ سے دو قسمون مین منقسم رہے ہین اور رہین گے ایک وہ جو کسی علم کی بنیاد ڈالتے ہین جدید اصول بناتے ہین اور اپنے اختراعات سے تربیت ذہن و دماغ کے لیے نئی راہین نکالتے ہین دوسری جماعت وہ ہے جو صرف اسلاف کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کرتی ہے مقررہ تصانیف ومعینہ اصول کے مطالعہ ہی کو انتہائی کارنامہ اکتساب علم کا جانتی ہے اور جو سمجھتی ہے کہ تحقیق وتنقید اجتہاد وابداع کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور علم کی تکمیل جو ہونا تھی ہو چکی ——— اول الذکر جماعت کی حالت یہ ہو کہ اگر اس کے نتائج تحقیق پر تنقید کی جاتی ہے تو وہ سکون دل کے ساتھ اسے سنتی ہے غور کرتی ہے اور پھر از سر نو سعی وعمل، جد وجہد مین مصروف ہو جاتی ہے۔ یہانتک کہ دنیا کو اس کی صحت وتکمیل پر ایمان لے آنا پڑتا ہے لیکن برخلاف اس کے دوسری جماعت کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے معروضات پر گفتگو کی جاتی ہے تو وہ برہم ہو جاتی ہے اور اساطیر الاولین کی تمام حکایتین، منطق وفلسفہ کے تمام مغالطے، خرافات تاریخی کے جملہ واقعات سامنے رکھ کر جواب دیتی ہے کہ کیا ان کے مقابلے مین کسی کو دم مارنیکی مجال ہو سکتی ہے کیا کوئی انسان اس ذہن و دماغ کا پیدا ہو سکتا ہے جو تحقیقات ماضیہ کے سامنے سابقون الاولون کے علی الرغم لب کھول سکے ؟ کیونکہ نہ اب روح القدس باقی ہو نہ اُس کا فیض، اور اس لیے کس کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ

دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

اس وقت اگر ان دونون جماعتون کا صریح و واضح مطالعہ کرنا ہے تو مغرب و مشرق کے علماء کا مطالعہ کیجیے اور اپنی بے بصری و بیچارگی پر جتنا ماتم بھی ہو سکتا ہو کر لیجیے کیونکہ اب اس کے بعد کوئی درجہ منزل فنا تک پہونچنے کیلیے ہم کو طے کرنا نہین ہے۔

اب سے چند سال قبل تک اہل مغرب کا ایمان تھا کہ ایتھر تمام فضا مین پایا جاتا ہے اور زمین کی کشش ہر وقت کارفرما ہے لیکن ایک شخص اینشتین نامی اٹھتا ہے اور تمام گذشتہ تحقیقات کو باطل کرکے ایتھر کے وجود کو مہمل اور زمین کی کشش کو لغو قرار دیتا ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اعوجاج زمان (Curvature of time) کا عجیب و غریب نظریہ پیش کرتا ہے لیکن نہ کوئی شخص اسے مردود و ملعون قرار دیتا ہے نہ اس پر مضحکہ اڑاتا ہے بلکہ ہر شخص غور کرتا ہے، سمجھتا ہے حتیٰ کہ اس کا جدید نظریۂ اضافیت (Relativity) مسلمات مین داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلے مین ہمارے یہان کے علماء کو دیکھیے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ "ھٰذِہٖ سَعِیْدِیَّۃٌ" مین جو دلائل گردش زمین کے ابطال مین پیش کیے جاتے ہین وہ لغو ہین "شرح چغمینی" مین جو مسائل ہیئت کے بتائے جاتے ہین وہ تقویم پارینہ سے زیادہ حیثیت نہین رکھتے تو آستین چڑھا لیتے ہین اور اس کو کفر و الحاد قرار دے کر مذہب و سوسائٹی سے علحدہ کر دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہین کیونکہ ان کے نزدیک اب انسان سے غور و فکر، اختراع و ابداع، تحقیق و اجتہاد کی قوت چھین لی گئی ہے اور وہ مجبور ہے کہ اس سے قبل جو کچھ قدماء لکھ گئے ہین، اُن پر بے چون و چرا ایمان لے آے

حال ہی مین اس ذہنیت کا نہایت پر لطف منظر دیکھنا ہو تو اس بحث کو دیکھیے جو جناب ابوہریرہ رض کی موافقت، قتلِ مرتد کی حمایت اور نگار کے مسلسل مضمون "مطالعۂ حدیث" کی مخالفت مین معارف اور سیج کے صفحات مین نظر آرہی ہے

صفحے کے صفحے اس تحقیق مین صرف کر دیے گئے ہین کہ جناب ابوہریرہ نہایت ذی فہم و ذی ہوش تھے عہد نبوی مین وہ عاقل و بالغ کی حیثیت رکھتے تھے، رجال مین بڑے پایے کے ثقہ راوی مانے جاتے تھے، قدمائنے اُن کے اقوال کو ہمیشہ صحیح باور کیا وغیرہ وغیرہ، لیکن کسی ایک جگہ بھی مضمون کی اصل روح سے بحث نہین کی گئی جو ابوہریرہ پر جرح کی باعث ہے اور کوئی ضعیف سی کوشش بھی ان الزامات کے دور کرنے کی نہین کی گئی جو ابوہریرہ پر اصولاً و درایتہً روایات و احادیث کی نوعیت کو دیکھ کر وارد ہوتے ہین گویا بالفاظ دیگر یون سمجھیے کہ وہ رسول اللہ کو صرف ابوہریرہ کے ذریعے سے سمجھنا چاہتے ہین اور اس سلسلہ مین اگر رسول اللہ کے اخلاق پر کوئی حرف آئے یا ان کی تعلیمات پر اعتراض وارد ہو تو اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہین - یہ انتہائی حد ہے اس کورانہ تقلید اسلاف پرستی کی

جس مین آج کل خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کا مولوی مبتلا نظر آتا ہے، وہ یہ گوارا کر سکتا ہے کہ رسول کی تنقیص ہو جائے، اسے یہ تسلیم ہے کہ تعلیمات اسلامی مسخ نظر آئین، وہ یہ منظور کر سکتا ہے کہ مذہب کا تعلق عقل و فہم سے بالکل نہ رہے لیکن ابو ہریرہ کو کوئی ٹوکے تو یہ اس کی برداشت سے باہر ہے کیونکہ اسکے نزدیک

یہی اک شہر مین قاتل رہا ہے

مولویون کی وہ جماعت جو تصنیف و تالیف سے کوئی تعلق نہین رکھتی اور صرف تقریر و مواعظ سے جاہل مسلمانون کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔ یقیناً بڑی خطرناک چیز ہے لیکن میرے نزدیک اس سے زیادہ مہلک وہ جماعت ہے جو بدقسمتی سے تصنیف و تالیف کا بھی کچھ ذوق رکھتی ہے اور جو خدا معلوم کب سے غیر صالح ذخیرہ اپنی تحقیقات باطلہ کا فراہم کرتی چلی آ رہی ہے۔ ہر چند اس کے اثرات عوام پر تو زیادہ نہین ہین لیکن متوسط طبقہ جو کچھ لکھنا پڑھنا جانتا ہے ان کے تصانیف سے بری طرح اثر پذیر ہوتا ہے اور خود چونکہ اس طبقے مین کوئی اہلیت تنقید و تفتیش کی نہین ہوتی اس لیے وہ ان موٹی موٹی کتابون سے جس مین ہر چار سطر کے بعد ایک سطر عربی کی ضرور نظر آتی ہے اور جن کے فٹ نوٹ مین بیسیون حوالے خدا معلوم کن کن قدیم و عجیب و غریب کتابون کے درج ہوتے ہین مرعوب ہو جاتا ہے، حالانکہ مذہب کو کتابون سے کیا واسطہ، اطمینان نفس کے لیے اس دفتر بے معنی کی کیا حاجت!

مولوی آج سے نہین بلکہ ہمیشہ سے نام ہے اس مخلوق کا جس نے صرف پرانی لکیر کو پیٹا اور خود سمجھ کر کبھی مذہب کو اختیار نہین کیا، وہ اگر مسلمان ہے تو صرف اسلیے کہ اس کا باپ مسلمان تھا اور اگر اسلام کو وہ سچا مذہب جانتا ہے تو محض اس بنا پر کہ اس کے اسلاف ایسا کہہ گئے ہین اسی لیے جب کوئی دوسرا اس سے کچھ دریافت کرتا ہے تو وہ تاریخ کی ورق گردانیان شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو فلان فلان اکابر و اعاظم یہی کہتے چلے آئے ہین اس لیے کوئی وجہ نہین کہ اس صورت مین ہم اپنی عقل سے کام لیں

بالکل یہی صورت ابو ہریرہ کے مسئلے مین پیش آ رہی ہے کہ وہ نہ تو اس حقیقت پر غور کرین گے کہ ابو ہریرہ سے جو احادیث مروی ہین وہ واقعی رسول اللہ سے منسوب کی جا سکتی ہین یا نہین، اگر منسوب نہین کی جا سکتین تو پھر دو ہی صورتین ہین یا تو اس سے انکار کیا جائے کہ ابو ہریرہ ان کے راوی ہین یا خود ابو ہریرہ کو غیر ثقہ راوی قرار دے کر ان احادیث کی صحت سے انکار کیا جائے مگر مولوی اس اصل چیز کو ہاتھ نہین لگاتا اور جواب مین وہ جو کچھ کہتا ہے اس کی نوعیت اس سے زیادہ نہین ہوتی کہ ابو ہریرہ کی دیانت پر شک کرنا جائز نہین کیونکہ وہ تو ابو ہریرہ ہین گویا ان کا صرف ابو ہریرہ ہونا کافی دلیل اس امر کی ہے کہ جو کچھ وہ کہین گے بالکل صحیح و درست ہوگا، خواہ اس دلیل کی بنا پر رسول کی رسالت ہی کو کیون نہ مجروح کرنا پڑے۔

انسان جب بہت زیادہ جاہل تھا تو اس نے دوسرے انسان کو خدا کہنے مین بھی تامل نہ کیا

اس کے بعد جب اس جہل میں کمی ہوئی تو نبی و رسول کہ کر اس کی پرستش کی لیکن غیر معمولی معجزات منسوب کر کے نبی آخر الزمان نے یہ کہہ کر کہ "میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں اور کوئی معجزہ اپنے ساتھ نہیں لایا" حقیقت کو ہمیشہ کیلیے بے نقاب کر دیا، لیکن انسان جو غلامانہ انقیاد و اطاعت اور مقلد ذہنیت کا عادی چلا آ رہا تھا اس نے پھر بھی اپنی اس مکروہ عادت کو نہیں چھوڑا اور اسلام کی اس غیر معمولی تعلیم کو جو انسان کو حریت فکر آزادی ضمیر کا درس دینے والی تھی نظر انداز کر کے سیکڑوں خدا و رسول ایسے بنائے کہ ان کے مقابلے میں وہ سچے خدا و رسول کو بھی چھوڑنے کے لیے آمادہ ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ ابو ہریرہ سے جو احادیث روایت کی جاتی ہیں وہ یکسر رسول کی شان کے منافی ہیں اس لیے ابو ہریرہ کو ساقط الاعتبار سمجھو یا رسول کو غیر صادق مدعی رسالت، اس کا جواب مولوی جماعت کی طرف سے صرف یہ دیا جاتا ہے کہ ابو ہریرہ کی ذات طعن و جرح سے بہت بلند ہے مدعا یہ کہ رسول کو خواہ کوئی رسول مانے یا نہ مانے لیکن ابو ہریرہ کے ثقہ ہونے میں کسی کو مجال گفتگو نہیں ہو سکتی،

کیا اس سے زیادہ مکروہ مثال شخص پرستی کی کوئی اور ہو سکتی ہے، کیا اس سے زیادہ سخت لعنت تقلید کی کوئی اور پیش کی جا سکتی ہے۔

چشم اگر این است وابرو این و ناز و عشوہ این
الفراق اے ہوش و تقوی الوداع اے عقل و دین

گذشتہ ماہ میں متعدد رسول نمبر مختلف رسالوں کے موصول ہوئے اور ہر سال ربیع الاول میں اس نوع کے مخصوص اڈیشن شایع کرنا بعض رسائل و اخبارات کی سنت دیرینہ ہے ممکن ہے بعض حضرات اسکو اشاعت مذہب و ترقی اسلام سے تعبیر کریں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس قدر کمی صحیح جذبۂ دینی میں پیدا ہوتی جا رہی ہے آتنی ہی زیادتی ان نمبروں میں پیدا ہو رہی ہے،

اس نوع کے لٹریچر کی کثیر اشاعت مذہب کو عمل کے دائرے سے ہٹا کر صرف مقالی حدود کا پابند بنانا چاہتی ہے جو یقیناً ایک مذہب کی توہین ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ درس عمل ہمیشہ عمل کے ذریعے سے کامیاب ہوا کرتا ہے اور وہ لوگ جو رسول نمبر صرف ثواب آخرت اور حصول حور و قصور کی توقع پر نہیں نکالتے بلکہ واقعی اس کو کوئی خدمت دینی سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اس طرح کے رسائل نکالکر مذہب کے وزن کو کم کر رہے ہیں۔ اور ان کی یہ سطحی خدمت اسلام کو جس انداز میں پیش کر رہی ہے وہ اسے صرف حکایات و روایات کا مجموعہ بنا دینے والا ہے یا رسم و رواج کا پابند،

علاوہ اس کے یون بھی اصولاً ایک ہی مبحث و موضوع پر ہمیشہ غیر متنوع لٹریچر پیش کرتے رہنا طبایع انسانی پر بار ہو جاتا ہے اور بجائے دلچسپی کے ایک قسم کا احتراز و گریز پیدا ہونے لگتا ہے

مذہب مین قسم کھانے کو اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ یون ہر وقت اور بلا ضرورت خدا کا نام بار بار لینا خدا کی عظمت و اہمیت کے خیال کو کم کر دیتا ہے کیونکہ فطرت انسانی یہی ہے، کیا بالکل یہی حکم ان رسول نمبرون پر منطبق نہین ہوتا کہ اس طرح ان کی عمومیت و سطحیت پیغمبر کی عظمت کو کم اور غور و فکر کی عادت کو لوگون سے محو کر دینے والی ہے۔

اس کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ ان اشاعتون مین رسول کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ بڑی حد تک غیر منقح ہوتا ہے تو اور زیادہ افسوس کرنا پڑتا ہے کہ جس چیز کو خدمت سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے وہ دراصل دشمنی و ریخ کنی ہے

بہر حال میرے نزدیک یہ طریق کار مستحسن نہین ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ مالکان اخبار و رسائل جو پابندی کے ساتھ ہر سال اس طرح کے مخصوص نمبر شایع کرتے ہین خود بھی غور کرین گے کہ جو کچھ مین نے عرض کیا اس مین کوئی حقیقت ہے یا نہین

یہ خدا کی عنایت ہے جس کو چاہے جس خدمت کیلیے چن لے اور اس سے کام لے، ایسے ہی لوگون مین سے ایک ہستی سید مبارک شاہ جیلانی کی ہے جنھون نے کئی سال ہوے ریاست بہاولپور سے دور ایک مقام سنجر پور مین لائبریری قائم کی محض اس لیے کہ وہ اپنے وطن کے لوگون مین ذوق علم و ادب پیدا کرین۔ ہمین معلوم ہے کہ سید مبارک شاہ نے اس مقصد کے لیے کتنا ایثار کیا اور کر رہے ہین وہ نگارستان کے نام سے ایک رسالہ بھی اس لائبریری سے شایع کرنا چاہتے ہین آرزومند ہین کہ ارباب علم و قلم ان کی اعانت کرین باشندگان بہاولپور اور حکومت بہاولپور پر جتنے حقوق اُن کے ہو سکتے ہین ظاہر ہین اور ہمین امید ہے کہ وہ ان کو ادا کرنے کی پوری سعی کرینگے لیکن ضرورت ہے کہ ملک کے اور افراد بھی سید صاحب موصوف کی اس شیفتگی علم و ادب کی قدر کرین اور جو امداد ان کے امکان مین ہو اس سے دریغ نہ فرمائین

اب سے تقریباً سات سال قبل جب مین کشمیر گیا تھا تو وہان کے مسلمانون کی بے حسی زندگی اور شدت نکبت و افلاس کو دیکھ کر مین نے یقین کر لیا تھا کہ یہان کے مسلمانون مین کوئی جنبش پیدا ہونا محال ہے کیونکہ اول تو یہان حکومت غیر مسلم ہے جسے کوئی خاص ہمدردی ان کے ساتھ نہین ہو سکتی اور اگر غیر مسلم نہ ہو تو بھی ان کا دماغی انحطاط

ان کی واہمہ پرستی اور ان کی پابندی رسم و رواج اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ مشکل ہے کبھی ان کو اپنی ذلت و خواری کا احساس ہوسکتا ہے۔ اسی لیے جس وقت یہ خبرین میرے کانون تک پہونچین کہ وہان کے مسلمانون نے جیل پر حملہ کر دیا، دو کانین لوٹ لین، فوج و پولیس کا مقابلہ کیا تو مین حیران و ششدر رہ گیا کہ ایسی سوئی ہوئی قوم مین یہ بیداری اور بیداری بھی اس خطرناک حد تک کیونکر پیدا ہوئی، اگر وہ تمام بیانات صحیح ہین جو انکے متعلق حکومت کشمیر کی طرف سے شایع کیے جارہے ہین تو شاید ہی کوئی سنجیدہ مسلمان ایسا ہوگا جو ان کے امن شکن حرکات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے۔ لیکن اس سے بہرحال کسی طرح انکار نہین ہوسکتا کہ اہل کشمیر اب خواب غفلت سے چونک پڑے ہین اور اگر ایسے وقت مین ان کی اس بیداری سے صحیح معنی مین مفید کام لینے والا کوئی شخص اُٹھ کھڑا ہوا تو اس قوم کا مستقبل خدا جانے کیا ہو جائے، چونکہ پبلک کی طرف سے ابھی تک کوئی بیان وہان کے حالات کے متعلق شایع نہین ہوسکا، اور نہ کمیٹی نے واقعات کی تحقیق شروع کی ہے اس لیے اس برہمی کے اسباب ابھی تک معلوم نہین ہوسکے لیکن یہ یقین ہے کہ وہ اسباب جو کچھ بھی ہون اور ان مین خواہ کتنی ہی غلط فہمی اہل کشمیر کی کیون نہ شامل ہو لیکن یہ یقینی ہے کہ تحریک تھی نہایت زبردست ورنہ یہ فاقے کر کرکے خوشی سے زندگی بسر کرتے رہنے والی قوم کیا یون آسانی سے چونک سکتی تھی۔

پھر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی تیاریان ہورہی ہین اور پھر لوگ اسی قبلۂ مقصود کے لیے رخت سفر باندھ رہے ہین جہان سے ایک بار وعدۂ فردا کا نوید مسرت لے کر واپس آئے تھے۔

اگر سعی و عمل اور اصرار جد و جہد کا کوئی نہ کوئی نتیجہ اسی دنیا مین پیدا ہونا قانون فطرت ہے تو کوئی وجہ نہین کہ یہ تگ و دو بیکار ثابت ہو اور ہندوستان اپنی غلامی کی لعنت کو زیادہ عرصے تک گوارا کرتا رہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جس وقت عمل کے لحاظ سے تقسیم برکات کا سوال پیدا ہوگا اس وقت مسلمانون کو سوراج کی طرف سے کوئی عطیہ پیش کیا جائے گا، یا حکومت برطانیہ کی جانب سے، شوکت علی اینڈ کمپنی کا اصرار یہ ہے کہ وہ حکومت ہی کے سامنے دست سوال پھیلائین، کیونکہ بہرحال وہ اہل کتاب مین سے ہین اور ہندو کافر و بت پرست ہین جن سے اتحاد عمل مذہبًا و شرعًا ممنوع ہے لیکن ڈاکٹر انصاری کی جماعت کہتی ہے کہ اگر سوراج سے مراد واقعی ہندو راج ہے اور مسلمانون کیلیے ہلاکت ہی مقسوم ہو چکی ہے تو وہ اپنے اہل ملک کے ہاتھ سے ذبح ہو جانا زیادہ پسند کرتے ہین بہ نسبت اس کے کہ غیر ملک و قوم والون کی غلامی مین انھین زندگی بسر کرنا پڑے

ہر شخص کا نظریہ جُدا ہوتا ہے اور اس کا ذوق علیحدہ اس لیے کس کو حق حاصل ہے کہ وہ جناب شوکت علی کے دل سے ان کے جذبۂ محبت کو نکال دے لیکن اگر چارہ کار اب کوئی باقی نہین رہا ہے تو مین ڈاکٹر انصاری کو

مشورہ دونگا کہ وہ فریق مخالف کی تمام شرائط کو بلا استثنا تسلیم کرلین اور خود بالکل نیوٹرل ہو کر اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دین کیونکہ جب خود غرضی و بے عقلی خود رائی ونفسانیت کی حد تک پہونچ جاے تو پھر اس کا علاج یہی ہوا کرتا ہے

بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

اگر ان کی سمجھ مین نہین آتا کہ جداگانہ انتخاب مسلمانون کے لیے کس قدر نقصان رسان ہے تو وہ شوق سے اس کا تجربہ کرلین اور اگر زمانے کو بہترین درس ادب دینے والا کہنا غلط نہین تو خود انکو معلوم ہو جائے گا کہ انھون نے کس کے پاؤن پر کلھاڑی ماری تھی اور یہ کہ ایک احمق ضدی کا مآل کیا ہوا کرتا ہے

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس مین کنسرویٹو جماعت پورا فائدہ اس اختلاف سے اٹھانا چاہیگی اور کہدیگی کہ جب ملک کے تمام افراد کسی ایک مطالبے پر متفق نہین ہین تو فیصلہ کس طرح کیا جاسکتا ہے اس لیے اسکا جواب اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ اختلافی صورت باقی نہ رکھی جاتے اور تھوڑی دیر کے لیے دو دشمنون مین سے ایک ضعیف دشمن کو برقرار رکھنے پر رضامندی ظاہر کرکے آیندہ کے لیے محاذ کی پراگندگی کو دور کردیا جائے،

بعض اخبارات لکھ رہے ہین کہ تمام ہندو مسلمانون کے دشمن ہین اور وہ یہان صرف ہندو راج قائم کرنا چاہتے ہین یہان تک کہ مہاتما گاندھی بھی اسی مقصد کو لیے ہوے کام کر رہے ہین۔ ہم تھوڑی دیر کیلیے تسلیم کر لیتے ہین کہ یہ بدگمانی بالکل درست ہے اور ہندو یہان خالص اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہین لیکن مسلمانون کیلیے سوال یہ ہے کہ اگر وہ ہندو راج کو پسند نہین کرتے تو کیا وہ راج جس مین زندگی بسر ہو رہی ہے غیر مسلم راج نہین۔ یقیناً وہ نہ صرف غیر مسلم بلکہ غیر ملکی بھی ہے۔ پھر اگر موجودہ اختلاف سے واقعی صحیح معنی مین کوئی مسلم حکومت یہان قائم ہو سکتی ہے تو ہر مسلمان ساتھ دینے کیلیے آمادہ ہو سکتا ہے لیکن جب اسکی توقع نہین اسکا امکان نہین، تو پھر میری سمجھ مین نہین آتا کہ کیون دو صورتون مین سے اس ایک صورت کو اختیار نہین کیا جاتا جس کا مقابلہ زیادہ آسان ہے۔

مذاکرات نیاز کے نام سے میری ڈائری کے منتشر اوراق یکجائی کتابی صورت مین پریس جا چکے ہین اور کچھ اجزا چھپ بھی گئے ہین — اس ڈائری کے بعض حصے ایسی مخصوص کیفیات کے ماتحت قلمبند ہو گئے ہین کہ اب کوشش کے بعد بھی مشکل ہی سے انکو دوبارہ طاری کیا جا سکتا ہے — مین بے انتہا شکر گذار ہون ان حضرات کا جو لالہ رخ اور نقاب اٹھ جانیکے بعد طلب فرما رہے ہین اور وی پی پارسل قبول کر رہے ہین۔ یقیناً ایک رسالے کی بہترین امداد یہی ہے کہ آپ اسکے مطبوعات کو شرف قبولیت عطا فرمائین، اگر آپ نے اس ڈائری کو بھی اس عزت سے سرفراز فرمایا تو نگار آپکے اس کرم سے کبھی سبکدوش نہین ہو سکتا

— نیاز —

مطالعۂ حدیث تنقیدِ صحیح کی روشنی میں

اوقاتِ صلوٰۃ

نماز اسلام کی ویسی ہی علامت ہے جیسے ہندون مین گاے کا احترام اور یہودیون مین سبت اور عیسائیون مین صلیب۔ یہ ہی ایک چیز ہے جس سے ایک مسلم کی غیر مسلم سے تمیز ہو سکتی ہے اس لیے عملی اسلام مین سارا زور نماز پر ہے نماز کئی چیزون کا مجموعہ ہے، خدا کی تقدیس و تسبیح و تکبیر کے ساتھ سیدھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا جھکنا، سجدہ کرنا طہارت لباس و بدن کے ساتھ، اصل نماز تو یہ ہے کہ خدا کی تقدیس و تسبیح کی جاے کھڑے ہو کر سر جھکا کر اور سجدے مین اور جس نماز مین یہ باتین شامل نہ ہون وہ نماز نہین ہے مگر مسلمانون مین نماز کے ساتھ ابراہیم اور حضرت محمدؐ پر درود بھیجنا اور پھر دونو طرف کراما کاتبین کو سلام کرنا اور دعا مانگنا بھی ضروری ہے اگرچہ قرآن سے یہ باتین ثابت نہین۔ بنی اسرائیل کے انبیا تقدیس و تہلیل کو قبل طلوع آفتاب و قبل غروب آفتاب[۱] اور رات کے وقت فرض جانتے تھے اور نماز کے اندر وہ ہیکل یروشلم کی طرف رخ کرتے تھے چنانچہ دانیال کی کتاب[۲] مین دانیال نبی کا ان اوقات مین مشرق کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

لیکن جو چیز غیر خدا کے لیے کی جاے وہ نماز مین شامل نہ سمجھی جاے گی۔ یہودیون مین سخت ممنوع تھا کہ خدا کی تہلیل و تسبیح کے ساتھ کسی انسان کا ذکر بھی ہو حتی کہ موسیٰ اور عزیر کا نام بھی نہ لیا جاتا تھا۔ جب حمد اکی تکبیر کے بعد نمازیون کی جماعت کھڑی ہوتی تھی تو بالعموم اس مین وحی یا الہام کے چند مخصوص جملے خصوصاً زبور اور شریعتِ موسے کے احکام پڑھے جاتے تھے۔ یہود سجدہ[۳] کرتے تھے مگر ساری یہودیون مین سجدہ کیا جاتا تھا فی زمانا یہود نماز کے وقت کھڑے نہین ہوتے بلکہ ننگے سر ہو کر بیٹھتے ہین اور نوشتہ جات کو اپنے سامنے کھول لیتے ہین۔ یہودیون مین یہی فرض تھا کہ جہان نماز پڑھی جاے اور جس لباس مین نماز پڑھی جاے وہ طاہر[۴] ہو۔

---

۱ Gemar Berachoth سوا صابیون کے تمام مذاہب سامیہ مین نماز کے اوقات یہی تھے، صابیون نے نماز کے سات اوقات مقرر کیے تھے (یہود کے اوقات صلوٰۃ کے بارے مین دیکھو قرآن فخرج علے قومہ من المحراب فاوحیٰ الیھم ان سبحو بکرۃ واصیلا (مریم ۱۱) واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی (کہف) ۲ کتاب دانیال باب ۶ آیت ۱۰

۳ گرینی بلاک کا قول ہے کہ یہود اپنے خاص عبادت مین پیشانی زمین پر رکھتے تھے ۴ Halchoth Tehhile ابن میمون

صلوٰۃ عربی مین نماز کو کہتے ہین، نماز عجمی لفظ ہے اور اس کی اصلیت اور سنسکرت کے لفظ نمسکار کی ایک ہی ہے۔ صلوٰۃ کے لفظی معنی کیا ہین اس کے معنی مین بہت اختلاف ہے بعضون کی راے ہے کہ صلوٰۃ صلوین یعنی چوتڑون کے ہلانے کے معنی مین آیا ہے بعضون نے کہا ہے کہ صلاۃ کے معنی دعا و درود کے ہین بعضون نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی کسی طرف جھکنا ہے یا اونٹ کی نشست ہے لیکن درحقیقت یہ لفظ عربی کا نہین بلکہ اسوری لفظ ہے جس کے معنی بھیک مانگنا ہے اور عبرانی مین بھی جیسا مصنف تاریخ فقہ اسلامی کا قول ہے صلوٰۃ کی اصطلاح نماز کے لیے ہے گو کہ موجودہ یہود مین یہ لفظ استعمال نہین قرآن مین نماز کی ترکیب و ترتیب کا ذکر نہین البتہ صلوٰۃ کے لفظ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ نماز مین پہلے کھڑے ہوتے تھے اور سجدے کے بعد نماز کو ختم کر دیتے تھے اور التحیات و سلام وغیرہ کا کوئی اشارہ نہین پایا جاتا، قرآن کی دوسری آیتون سے بھی رکوع، سجدہ، قیام ثابت ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جس ترکیب و تعدیل سے نماز پڑھی تھی وہی طریقہ مسلمانون کی نماز کا ہے صرف چند فروعی باتون مین اختلاف ہو تو ہو کیونکہ یہ ایسا مشہور و ظاہر فعل تھا کہ کثرت سے لوگون نے رسول اللہ کی نماز مین اقتدا کی پھر اخلاف نے اسلاف کو دیکھا اور یہ ناممکن ہے کہ سلسلہ بہ سلسلہ وہ طریقہ جاری نہ رہتا اور بھلا دیا جاتا قرآن شریف نے اس واسطے نماز کے طریقہ و ترکیب و ترتیب سے اعراض کیا ہے کہ اس کی ضرورت رسول کے خود عمل سے باقی نہ رہتی تھی اور اس مین یہ بھی مصلحت تھی کہ قومون کے اختلاف عادت و معاشرت مین قرآن کا ایک خاص طریقے پر اصرار کرنا یا اس کو فرض کر دینا مناسب نہ تھا البتہ قرآن نے اوقات کی صراحت پر زیادہ زور دیا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ بغیر وقت کی پابندی کے نماز کی تشکیل ہو ہی نہین سکتی، قرآن نے اوقات صلوٰۃ مین مذاہب سامیہ قدیم کی تعیین کو مناسب سمجھا اور ان اوقات مین انسان کی ان آسانیون کا لحاظ رکھا گیا ہے جب کہ انسان فی الواقع نماز کے لیے رجوع قلب سے حاضر ہو سکتا ہے یہ وہی اوقات ہین جب آدمی اپنے مشاغل کاروباری زندگی سے فرصت پاتا ہے۔ یعنے جب وہ سو کر اٹھتا ہے یا جب سونے کے لیے بستر پر جاتا ہے اور جب شام کو فارغ ہو کر اپنے گھر کو لوٹتا ہے، قرآن نے اکثر سورتون مین وقت کی تعیین کی ہے مثلاً۔

(۱) وسبح بحمد ربك حين تقوم ومن الليل فسبحه وادبار النجوم (الطور ۴۸-۴۹)	(۱) اور خدا کی تسبیح کر جب کہ تم اٹھتے ہو اور رات کو اس کی تسبیح کرو اور ستارون کے چھپ جانے کے بعد
(۲) وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن الليل فسبحه وادبار السجود (ق ۴۰،۲۹)	(۲) اور خدا کی تسبیح کر قبل طلوع آفتاب و قبل غروب آفتاب اور نمازون کے بعد بھی۔
(۳) وتسبحوه بكرة واصيلا (فتح ۹ الاحزاب ۴۱)	(۳) اور صبح و شام خدا کی تقدیس کرو۔
(۴) واقم الصلوة طرفي النهار وزلفا من الليل (هود ۱۱۴)	(۴) اور نماز پڑھو دن کے دونون کنارے پر اور رات کے پہلے حصہ مین۔

(۵) واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والاصال (الاعراف ۲۰۵)

(۶) فاصبر علیٰ ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا ومن اناء اللیل فسبح واطراف النہار لعلک ترضیٰ (طٰہٰ ۱۳۰)

(۷) واقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا (بنی اسرائیل ۷۸، ۷۹)

سورہ (۱) حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین (بقرہ ۲۳۸)

(۵) اور اپنے رب کا ذکر چپکے چپکے عاجزی اور گڑگڑا کر صبح و شام کرو اور غافلوں میں مت ہو۔

(۶) اور صبر کر ان باتوں پر جو یہ لوگ کہتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح کر ساتھ حمد کے قبل طلوع آفتاب و قبل غروب آفتاب اور رات کے تھوڑے حصہ میں تسبیح کر اور دن کے دونوں طرف شاید تو راضی ہو۔

(۷) اور نماز پڑھو آفتاب کے ڈھلنے سے جب تک کہ وہ رات میں چھپ جائے اور صبح کا قرآن بیشک صبح کا قرآن دیکھا جاتا ہے اور رات کی تہجد تیرے لیے نفل ہے۔ شاید اس وجہ سے تیرا خدا تجھے مقام محمود تک بلند کر دے۔

(۱) اور نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً نماز وسطیٰ کی اور خدا کے سامنے ادب سے کھڑے ہو۔

قرآن کے اوقات نماز میں اوپر کی آیت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ قرآن سے جو اوقات نماز واضح ہیں وہ صرف فجر عصر اور عشا کی نماز کے ہیں۔ ظہر اور مغرب کی نماز کا کہیں ذکر نہیں اور یوں بھی درحقیقت ظہر اور مغرب کوئی وقت نہیں بلکہ محض اوقات عصر و عشا میں تقدیم و تاخیر سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی عشا کی نماز جلدی پڑھ لی کبھی دیر کرکے اسی طرح ظہر کی نماز کبھی دن ڈھلنے کے اول وقت پڑھ لی اور کبھی دن ڈھلنے کے آخر وقت۔ دیکھنے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دو علیحدہ اوقات میں نماز ادا کی اور چونکہ آپ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کثرت سے پڑھتے تھے لوگوں نے گمان کیا کہ آپ نے دو وقت کی نماز ادا کی، لیکن ایسا بھی ہوا کہ آپ نے ادا کی اور بعضوں نے یہ گمان کیا کہ آپ نے دو وقتوں کی نماز جمع کر لی۔ ہم روایات حدیث کی جانچ پڑتال اس روشنی میں کریں گے کیونکہ میرا اپنا خیال ہے کہ فرقہ مانویہ زنادقہ کے لوگ جو پانچ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے حدیث میں خصوصاً حدیث معراج میں بہت کچھ تدلیس کی ہے اس کی بھی تحقیق حدیث کی روشنی میں ضروری ہے، کیونکہ یہ منافقین اسلام پر عجیب طرح سے حملے کرتے تھے ظاہراً وہ اسلام کی طرفداری کرتے تھے مگر باطناً وہ اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کاٹنے کی فکر میں رہتے تھے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اوقات صلوٰۃ میں قرآن سے زائد اوقات زنادقہ کی وجہ سے پیدا ہوئے تو اس کا یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو معاشرتی و کاروباری ترقی سے عاری کرنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ اسلام کو ایک سخت و ناقابل عمل مذہب دکھلا کر عوام کو اس سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے مجھے یہاں اس بات کا بھی اعتراف کر دینا چاہیے کہ ہرچند یہ تحقیق فون گریمر و گولڈزیہر جرمن مستشرقین کی ہے۔ مگر میں

ان کے خیالات کو ان صفحات پر نہ لاؤں گا۔ اوقات صلوٰۃ پر گولڈ زہر ایک مستقل مضمون کتاب "مطالعۂ علوم اسلامی" میں ہے اور ہیو زمانے انگریزی میں اس کی زیادہ وضاحت کرکے ایک علیحدہ رسالہ ترتیب دیا ہے اور ولہاسن نے بھی اس مضمون پر اپنی رائے ظاہر کی ہے، البتہ یہاں پر ایک عجیب و دلچسپ نکتہ قارئین سے معذرت کرتے ہوئے بیان کرنا چاہتا ہوں نہ اس لیے کہ میں اس پر استناد صدقتا کرتا ہوں بلکہ اس لیے کہ اس میں ایک تاریخی تحقیق بھی ہے عیسائیوں میں بھی نماز کے یہی اوقات تھے۔

ماٹن Matin صبح کی نماز، وجل Vigil رات کی نماز اور ایک عصر کی نماز نسطوری فرقہ جب ایران میں پہنچا تو اس وقت مانوی فرقہ کا وہاں زور تھا اور اس فرقے نے نسطوری فرقے سے مل کر مذہب کی ایک عجیب ہیئت بدل دی، نسطوری فرقہ سے ایک فرقہ Bogomils پیدا ہوا جس نے دن رات میں دس وقت کی نماز اپنے اوپر فرض کر لی یعنی پانچ دن میں اور پانچ رات میں۔ ایشیائے کوچک میں ایک اور فرقہ عیسائیوں کا تھا جو مجوس کے زیر اثر تھا اس نے بھی پانچ وقت کی نمازیں اپنے اوپر فرض کر لیں Bogomils فرقہ زمانۂ وسطیٰ تک یورپ میں پایا جاتا تھا اور اس کے پیرو خصوصاً سرویا اور بوسینہ میں تھے۔ پاپائے روم نے ان پر سختیاں کیں تو وہ سب مسلمان ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کے مسلمان ہونے میں اوقات صلوٰۃ جو مسلمانوں کی طرح تھے زیادہ موثر ہوئے

بالکل ایسا ہی ایک دوسرا نکتہ رجم زانیہ کے بارے میں ہے۔ توریت میں زناکاروں کے لیے رجم کا حکم نہ تھا مگر یہود عمل کرتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو یہود ایک زانیہ کو حضرت مسیح کے سامنے آزمایشاً لائے کہ دیکھیں آپ اس کو سنگسار کرتے ہیں یا نہیں مگر حضرت مسیح نے اس کا یہ جواب دیا کہ زانیہ پر پہلا پتھر وہ مارے جو بالکل اس گناہ سے صاف ہو یہود اپنا سا منہ لے کر چلے گئے موجودہ محققین اناجیل کی رائے ہے کہ یہ واقعہ جو یوحنا کی انجیل میں پایا جاتا ہے الحاقی ہے مگر بالکل یہی بات یہود نے آں حضرت کے سامنے بھی کی اور آپ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں اور میں رجم کا حکم دیتا ہوں۔ مسلم بن عبد اللہ بن اوفی کی ایک روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم کو رجم کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے، راوی نے دریافت کیا کہ کیا یہ حکم سورۂ توبہ کے پہلے دیا تھا یا بعد کو عبد اللہ ابن ادریس نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔

فقہ و حدیث کی تدوین سے قبل مسلمانوں کا ایک فرقہ نہایت سختی سے قرآن پر عمل کرتا تھا اور یہ لوگ جو تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور ہیں درحقیقت اصل اہل قرآن تھے اور صرف اسی قصور میں وہ مارے گئے کہ وہ قرآن کے آگے کسی زید و عمرو کی رائے قبول نہ کرتے تھے خوارج اپنے کو اباضیہ کہا کرتے تھے اور یہاں بھی ایک دلچسپ تاریخی نکتہ یہ ہے کہ نصرانیوں کا ابتدائی فرقہ بھی اباضیہ کہلاتا تھا یعنی . . . . جو اباضیہ کا ہم معنے و مترادف ہے خیر۔ خوارج کو اطرافیہ بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ ان کی نمازیں تین وقت ہوا کرتی تھیں۔ اور وہ

اطراف النہار والی آیتون سے نماز کے اوقات کی تعیین کرتے تھے نون کریمر نے اس فرقے کی تاریخ اپنے تمدن اسلام مین لکھی ہے مگر ہمارے سامنے حدیث مین بھی بہت کچھ مواد اس فرقے کے بارے مین ملتا ہے جو آگے بیان ہو گا۔ باطنیہ کا ایک فرقہ جس کے پیرو سمرقند و بخارا مین اب بھی پائے جاتے ہین وہ بھی تین وقت کی نماز پڑھتے تھے اور یہان ایک مزیدار بات یہ ہے کہ خلافت مہدی مین خورستان کے ایک عرب نے جس کا نام طاہر تھا اپنے اوپر پچاس اوقات کی نماز فرض کر لی تھی اس کے پیرو اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر لگے ہر وقت نماز پڑھنے اس سے سخت اختلاف پیدا ہوا اور خانہ جنگی کی نوبت آئی بالآخر یہ فرقہ تباہ ہوا اور اسی فرقہ سے بعد کو باطنیہ فرقہ نکلا ہے کیا عجب کہ ظاہریت کا Reaction باطنیت مین ہوا ہو اور ان کے بعض فرقون نے نماز کے اوقات گھٹا کر وہی کر لیے ہون جو مسلمانون پر قرآن مین فرض کیے گئے تھے۔

ابن عباس کی روایتین گو بالعموم مستند نہین ہین کیونکہ اول تو وہ آنحضرت صلعم کے زمانۂ مبارک مین بالکل کم سن بچے تھے۔ دوسرے وہ حضرت علیؓ کے طرفدارون مین تھے اور بنی امیہ حضرت علی اور ان کے طرفدارون کے سخت دشمن تھے اور ان کی کوئی بات سننا نہ چاہتے تھے اور اگر حدیثون کی روایتین بنی امیہ کے زمانے مین شروع ہوئین تو وہ مخصوص ان ہی لوگون سے تھین جو بنی امیہ کے وظیفہ خوار تھے۔ ابن عباس حضرت علی کے ساتھ کوفے مین تھے اور جب حضرت علی کو ابن ملجم نے شہید کیا تو ابن عباس بیت المال سے روپیہ نکال کر حجاز کو چلتے بنے امام حسن نے اس روپے کا دعوے کیا اور کریمر کا خیال یہ ہے کہ ابن عباس نے امام حسن اور عبد اللہ بن زبیر والون کے خلاف بنی امیہ کے ساتھ مل کر سازش کی مین اس قیاس کو صحیح تسلیم نہین کرتا اور میرا خیال ہے کہ بنی امیہ کے دربار مین ابن عباس کی رسائی کبھی نہین ہوئی اور اس لیے ان کی روایتون کی کسی نے پرواہ نہ کی۔ ہان جب ابن عباس کا زمانہ آیا اور حدیث گوئی کا مرض ترقی کر تا گیا تو ابن عباس یاد آئے امام مالک نے اپنی موطا پر ایکبار نظر ثانی کی اور سلسلۂ اسناد مین ابن عباس بھی شامل کیے گئے ادھر ابن عباس کے غلام موجود تھے انھون نے اپنے آقا سے روایتین بیان کرنا شروع کر دین چنانچہ ابن عباس کی حدیثون مین تم کو زیادہ تر ایسی حدیثین ملین گی جو ابن عباس کے غلامون کی بیان کردہ ہین۔ بہر حال مین یہ کہنا چاہتا تھا کہ گو ابن عباس کی حدیثین ابو ہریرہ سے زیادہ مشتبہ ہین مگر آپ ہی نے ایک روایت ایسی بیان کی ہے جس سے اوقات صلوٰۃ پر بڑی زبردست روشنی پڑتی ہے۔ یہ روایت مسلم کی ہے۔ بخاری مین ہے یا نہین مجھے خیال نہین رہا۔ اور مسلم نے اپنی کتاب کا جو مقدمہ لکھا ہے اس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسلم بخاری کی طرح صرف جامعین احادیث مین سے نہ تھے بلکہ ناقدین مین سے بھی تھے گو کہ ان کے نقد و تبصرہ کا معیار کچھ اچھا نہ تھا۔ بہر حال مسلم کی ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ظہر اور عصر ملا کر پڑھی اور مغرب اور عشاء ملا کر پڑھی بغیر خوف اور بغیر سفر کے؛ دوسری روایت مین ہے

جمع کیا نمازوں کو غزوۂ تبوک میں ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آن حضرتؐ نے ایسا کیوں کیا۔ انھوں نے کہا تاکہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو۔ تیسری روایت میں ہے مدینے میں آپ نے نماز پڑھی بغیر خوف اور مینھ کے۔ چوتھی روایت میں ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ رکعتیں اکٹھا کرکے (یعنی ظہر اور عصر) اور سات رکعتیں (عشاء و مغرب) اکٹھا کرکے پڑھیں۔ راوی نے کہا میرا گمان ہے کہ آپ نے ظہر میں تاخیر کی اور عصر اول وقت پڑھی اور مغرب میں تاخیر کی اور عشاء اول وقت پڑھی۔ انھوں نے کہا میں ایسا گمان نہیں کرتا ہوں۔ پانچویں روایت میں ہے ایک شخص قبیلۂ بنی تمیم کا آیا وہ نہ دم لیتا تھا نہ باز رہتا تھا برابر کہے جاتا تھا نماز نماز۔ جب آفتاب ڈوب گیا اور تارے نکل آئے تب ابن عباس نے کہا تیری ماں مرے کیا تو مجھے سنت سکھانے آیا ہے پھر کہا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلعم کو کہ جمع کیا آپ نے ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشا کو عبداللہ ابن شقیق نے کہا کہ میرے دل میں خلش رہی تو میں ابو ہریرہ کے پاس آیا ان سے پوچھا انھوں نے کہا کہ قول ابن عباس کا سچا ہے نووی نے کہا یہ سب روایتیں صحیح ہیں اور ترمذی نے کہا ہے کہ میری کتاب میں کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں جس کو ساری امت نے چھوڑ دیا ہو مگر حدیث ابن عباس کی مدینے میں دو نمازیں جمع کرنے کی بغیر خوف و سفر و مینھ کے۔ میں بھی اس حدیث کو صحیح مانتا ہوں صرف اس شرط کے ساتھ کہ رسول اللہ صلعم نے درحقیقت نمازیں جمع نہیں کیں۔ بلکہ مطابق اوقات صلوٰۃ قرآن کے نمازیں پڑھیں۔ چونکہ آپ کو کبھی ظہر کے اول وقت اور کبھی ظہر کے آخر وقت اور اسی طرح کبھی عشاء کے اول وقت اور کبھی عشاء کے آخر وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے غلطی سے یہ گمان کرلیا کہ آپ نے نمازیں جمع کی ہیں۔ ورنہ ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ظہر اور عصر کے اوقات اور عشاء و مغرب کے اوقات درحقیقت ایک ہیں غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کو نماز سب سے زیادہ محبوب تھی اور اوقات معینہ اور فرض نمازوں کے علاوہ آپ کثرت سے نوافل پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں نے اس کو کبھی پچاس کبھی دس کبھی پانچ نماز تصور کرلیا۔ اول اس کو دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلعم اوقات معینہ کے علاوہ بھی نماز پڑھتے تھے یا نہیں

انس کی روایت ہے۔

ہماری دادی نے جن کا نام ملیکہ تھا بلایا رسول اللہ صلعم کو ایک کھانے کے لیے جو انھوں نے پکایا تھا۔ پھر حضرت نے اس میں سے کھایا اور فرمایا کھڑے ہو میں تمھاری خیر و برکت کے لیے نماز پڑھوں۔ انس نے کہا کہ میں ایک بوریا لے کر کھڑا ہوا جو بہت بچھانے سے کالا ہوگیا تھا اور اس پر میں نے پانی چھڑکا اور آنحضرتؐ اس پر کھڑے ہوئے اور میں نے اور ایک یتیم نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور بوڑھی دادی بھی ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ پھر نماز پڑھائی آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

دوسری روایت میں ہے رسول اللہ صلعم ہمارے گھر میں آئے۔ گھر میں میں تھا اور میری خالہ۔ آپ نے فرمایا

کھڑے ہو میں تمہارے لیے نماز پڑھوں اور اس وقت کسی نماز فرض کا وقت نہ تھا پھر آپ نے نماز پڑھی پھر دعا مانگی ہر خیر کی ہم سب گھر والوں کے لیے سب بہتریوں کی خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی ۔ پھر عرض کیا میری ماں نے اے رسول اللہ صلعم یہ آپکا چھوٹا خادم ہے اس کے لیے آپ دعا فرما دیں سو آپ نے میرے لیے ہر چیز کی دعا مانگی اور آخر میں دعا کی کہ یا اللہ اس کا مال زیادہ کر اور اولاد زیادہ دے پھر اس میں برکت عنایت فرما ۔ تیسری روایت میں ہے آپنے مجھے یا میری ماں اور یا میری خالہ کو نماز پڑھائی اور مجھے اپنے داہنی طرف کھڑا کیا اور عورت کو پیچھے ۔ ایک اور روایت میں ہے میرے چچا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا وغیرہ اور اس میں عورتوں کی نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ۔

اختلافات کو نظر انداز کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نوافل کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے ، اور اس واسطے لوگوں کا اوقات نماز میں مغالطہ بالکل قرین قیاس ہے ۔ ظہر و عصر کے اوقات میں یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں

انس بن سیرین کے بیٹے نے کہا ہم ملے انس بن مالک سے جب وہ شام سے آئے تو ملاقات کی ہم نے عین التمر میں اور دیکھا ان کو کہ نماز پڑھتے تھے اپنے گدھے پر اور منہ اس کا اس طرف تھا اور اشارہ کیا ہمام نے قبلے کے بائیں طرف ۔ تب میں نے ان سے کہا کہ تم قبلے کے سوا اور طرف نماز پڑھتے ہو انھوں نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلعم کو ایسا کرتے نہ دیکھتا تو کبھی ایسا نہ کرتا ۔

۱۔ رسول اللہ صلعم عصر کی نماز پڑھتے تھے اور سورج بلند رہتا تھا ۔ اور اس میں گرمی ہوتی تھی اور جانے والا جاتا تھا عوالی مدینہ تک (مدینے سے آٹھ میل دور بلند ٹیکریاں) اور وہاں پہنچ جاتا تھا اور آفتاب بلند رہتا تھا (انس ۔ مسلم ۔ ابن ماجہ ۔ ابو داؤد)

۲۔ انس نے کہا ہم نماز عصر پڑھ کر قبا کو جاتے تھے (مدینے سے تین میل تک) اور وہاں پہونچکر بھی آفتاب بلند رہتا تھا ۔

۳۔ آدمی جاتا تھا بنی عمرو بن عوف کے محلے تک اور ان کو نماز پڑھتے ہوئے پاتا ۔

۴۔ علاء کہتے ہیں وہ انس بن مالک کے گھر گئے ظہر پڑھ کر اور انس کا گھر مسجد کے پاس تھا ۔ پھر جب ہم لوگ گئے ان کے یہاں تو انھوں نے کہا تم عصر پڑھ چکے ہم نے کہا ہم تو ابھی ظہر پڑھ کر آئے ہیں تو انھوں نے کہا عصر پڑھ لو پھر جب عصر پڑھ چکے تو انھوں نے کہا میں نے سنا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا سورج کو دیکھتا ہے ۔ پھر جب وہ دونوں سینگوں میں شیطان کے ہو جاتا ہے اٹھکر چار چونچیں مارتا ہے ۔ خدا کو یاد نہیں کرتا مگر تھوڑا ،

۵۔ ابن امامہ نے کہا ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر انس بن مالک کے پاس گئے اور ان کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتے ہیں عصر کی تو میں نے کہا اے میرے چچا یہ کون سی نماز ہے" انھوں نے فرمایا عصر کی اور یہ وہ نماز ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

۶۔ نماز پڑھائی رسول اللہ صلعم نے ہم کو عصر کی پھر جب فارغ ہو چکے بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا اے رسول اللہ صلعم ہم چاہتے ہیں کہ اپنا ایک اونٹ ذبح کریں اور آرزو رکھتے ہیں کہ آپ بھی تشریف لائیں آپ نے فرمایا اچھا۔ پھر آپ چلے اور ہم بھی گئے آپ کے ساتھ اور اونٹ بھی ابھی ذبح نہیں ہوا تھا۔ اور وہ کاٹا گیا اور پکایا گیا۔ اور کھایا ہم نے اس سے قبل غروب آفتاب کے (مسلم)

۷۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا دن کی گرمی آتش دوزخ کے سبب سے ہے اپنی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو (مسلم)

۸۔ ہم نماز پڑھتے تھے رسول اللہ صلعم کے ساتھ گرمی کی شدت میں پھر جب کسی سے پیشانی سجدے میں نہ رکھی جاتی تو اپنا کپڑہ بچھا کر اس کے اوپر سجدہ کرتا تھا (مسلم)

اسی طرح شب کی نماز دن میں مغرب و عشاء کے اوقات ایک دوسرے کے معنے میں سمجھے گئے ہیں مثلاً حضرت علی کا قول ہے کہ نماز کو اول شب میں پڑھ لینا چاہیے اور سونے سے پہلے ایک رکعت وتر کی پڑھ لیا کرے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم اپنی نماز کو عتمہ مت کرو یعنی جس وقت اندھیرے میں عرب اونٹ کا دودھ دوہا کرتے ہیں اور جو وقت مغرب کا ہوتا ہے۔ اس وقت نماز کو نہ پڑھو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے انتظار کیا رسول اللہ صلعم کا ایک شب یہاں تک کہ آدھی رات کے قریب ہو گئی پھر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی اور ہماری طرف متوجہ ہوے گویا کہ میں اب نظر کر رہا ہوں ان کی انگوٹھی کی چمک کو جو انکے ہاتھ میں تھی کی تھی۔ اسی طرح انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب رات کا کھانا سامنے آوے اور ادھر نماز کھڑی ہو تو پہلے کھانا کھالو۔ دوسری روایت میں ہے جب رات کا کھانا آوے اور نماز بھی قریب ہو تو کھانا مغرب کی نماز سے پہلے اور مت جلدی کرو نماز کی طرف کھانا چھوڑ کر (مسلم و ابن ماجہ) اور یہ واقعہ ہے کہ اہل عرب جب کھانا کھانے بیٹھتے یا انطار کرتے تو جلد فارغ نہ ہوتے تھے۔ حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ عرب رات کے کھانے کو بہت طول دیتے تھے اور اسی وقت وہ اپنے قصے، داستانیں، اور روائتیں بیان کرتے تھے۔

میں نے ان حدیثوں کو اس لیے نقل نہیں کیا کہ میں قرآن کی تائید روایتوں سے کرنے کا عادی ہوں میرے لیے قرآن کے صریح الفاظ کے آگے کسی روایت و قیاس و اجماع کی ضرورت باقی ہی نہیں۔ میں صرف یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ حدیث سے بھی اوقات کی تعیین صاف نہیں پائی جاتی اور نہ یہ گھڑی کی ایجاد سے پہلے

ممکن ہی ہے۔ یورپ اور انگلستان مین جاڑے کے دنون مین ظہر اور عصر مین کوئی فرق ہی نہین رہا اور نہ وہان کوئی آدمی دن کو ظہر کی نماز ادا کر سکتا ہے، اگر قرآن ایک ملک و قوم کے لیے اترتا تو یقیناً قرآن اوقات صلوٰۃ مین ایسی عمدہ تصریح یعنی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کی ضرورت نہ سمجھتا اور صاف فجر، عصر، ظہر اور مغرب کے اوقات کو بتا دیتا۔ گر فی الحقیقت یہ بہترین تفسیر ہے اطراف النہار اور قبل غروب شمس، طرفی النہار، بکرۃ و اصیلا۔ غدوا و عشیا کی۔

پنج گانہ نماز اسلام مین کیونکر پیدا ہوئی۔ اس مین شک نہین کہ اس کی ابتدا معراج کی اس رات سے شروع ہوئی ہے جس سے اپنے پچھلے مطالعہ مین بحث کر چکا ہون اور اسی روایت کی بنا پر علمائے اسلام متفق ہین کہ صلوٰۃ خمسہ معراج مین فرض ہوئی ہے حدیث کی بعض روایتون مین یہ بھی ذکر ہے کہ نمازین پانچ ہین مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کی تائید مین قرآن شریف کی کون سی آیت ہے۔ مین قصداً یہان اس بحث کو یہان نہ اٹھاؤنگا کہ پنج گانہ اور سہ گانہ مین سام وارج کی جو خصوصیتین ہین وہ کہان تک اسلامی فقہ مین اوقات کی تعیین پر موثر ہین مین پہلے کہہ چکا ہون کہ مین اس مضمون مین کسی مستشرق کی تحقیق پیش نہ کرونگا جن کو اس باب مین زیادہ توجہ ہو وہ خود ان کتابون کو دیکھین جن کا مین نے ذکر کیا ہے یا پھر (COMRARATIVE RELIGION) کا مطالعہ کرین مجھے صرف اس مضمون مین حدیث و فقہ سے مطلب ہے حدیث کے لیے میری صرف ایک تاویل ہے اور وہ یہ کہ جو بات قرآن سے ثابت نہین وہ قابل قبول نہین اور فقہ تو کوئی چیز نہین ہے۔ ابو یوسف اگر ہارون رشید کیلیے فقہ تیار کر سکتے تھے تو آج ہمارا مولوی لارڈ ولنگڈن کے لیے ان سے بہتر فقہ اسلامی تیار کر سکتا ہے۔ ابو یوسف نے اگر ہارون رشید کے لیے ان کے باپ کی منکوحہ لونڈی حلال کر دی اور اپنے لیے نصاب زکوٰۃ مین حیل شرعی پیدا کر لیے تو ہمارا مولوی نکاح صغیرہ کا پورا فتوے ہر قسم کی کھینچا تانی سے دے سکتا ہے یہان تک کہ وہ رسول اللہ کی سنت ثابت کر سکتا ہے تو فقہ اس قدر قابل اعتبار نہین۔ البتہ صاحب ہدایہ معلوم نہین کیا سمجھ کر پانچ وقت کی نماز ثابت کرنے کے لیے قرآن کی دلیل لائے ہین جو فقہا کی عادت کے خلاف ہے فرماتے ہین اس آیت سے پانچ وقت کی نماز ثابت ہے۔

اللہ حین تمسون وحین تصبحون ٥ ولہ الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا وحین تظہرون (روم ۱۷)

مین نے ایک ندوی عالم سے جو تاریخ فقہ کے مصنف ہین دریافت کیا کہ سورہ روم اور سورۂ بنی اسرائیل ایسی دو صورتین ہین جن کی تاریخ نزول مین کسی قسم کی رد و کد نہین ہو سکتی کیونکہ ان مین ایسے تاریخی واقعات کا ذکر ہے کہ یقیناً ان مین سے ایک یعنی سورہ روم پانچ سال قبل نازل ہوئی اور دوسری پانچ سال بعد۔ پھر میری سمجھ مین نہ آیا کہ اگر اس آیت مین نماز کا اشارہ ہے تو حدیث کا یہ قول غلط ہوگا کہ نماز پنج گانہ معراج مین فرض ہوئی حالانکہ نماز پنجگانہ کا ذکر سورہ روم مین ہے۔ انھون نے اس کا وہی سولو یانہ جواب دیا مین نے انھین لکھا کہ مین اس قدر نادان نہین ہون

جیسا آپ سمجھتے ہیں۔ محض اس آیت کو نکال کر سورۂ روم کو بعد کی سورہ بتانا بالکل خلاف ہے خود سورۂ روم ایک بحر میں ہے اور اسی بحر میں یہ آیت بھی ہے انھوں نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ان کو مذہبی مناظرے سے سخت نفرت ہے۔ اچھا اس کو ان لوگوں سبحان اللہ کے معنی نماز پڑھنے کے ہیں اور جہاں جہاں قرآن شریف میں سبحان الذی وغیرہ آیا ہے، سب جگہ نماز پڑھنے کے معنی ہیں۔ تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ سوائے ظہر کے وقت کے اور کون سی زیادہ نماز اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہوتی ہے تو چار ہی وقت کی۔ انھیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ تمسون میں مغرب و عشاء کا اشارہ ہے بہت خوب پھر تو یقینا پانچ ہی پر کیوں اکتفا کیا جائے۔ مولوی حمید الدین صاحب مرحوم کی طرح اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس سے ہر پانچ منٹ کے بعد نماز فرض کیوں نہ سمجھی جائے۔ اور اس طرح معراج کی پچاس وقت کی نماز بالکل ثابت ہو جاوے گی پس اگر اس آیت سے چار وقت کی نماز ظاہر ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ نماز وسطیٰ کس کو کہیں گے کیونکہ وسطیٰ تو وہی ہوگی جس کے دونوں طرف ایک یا دو باتیں ہوں حالانکہ وسطیٰ در حقیقت تین ہی نماز دن کے درمیانی نماز ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا ظہر کی نماز کا کہیں کنایۃً بھی قرآن شریف میں ذکر ہے۔ سورۂ نور کی آیت پڑھو۔

یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلوۃ العشاء ثلث عورات لکم (نور ۵۸)

اگر ظہر کی نماز نہ تھی تو اس جگہ سے بڑھ کر اور کہاں موقع اس کے اظہار کا ہو سکتا ہے۔ اس کو بھی جانے دو نماز جمعہ کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور یہ قطعی ثابت ہے کہ اس کا وقت اور ظہر کی نماز کا ایک ہے ....

اگر ظہر کی نماز مراد ہوتی تو کیا وہ جمعہ کی نماز کے قائم مقام نہ سمجھ لی جاتی مگر جمعہ کی نماز ایک علحدہ وقت میں ایک خاص دن فرض کی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ اس وقت کوئی نماز نہ پڑھی جاتی ہوگی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کی وجہ سے نماز ظہر ساقط ہو جاتی ہے وہ اس کا خیال نہیں کرتے کہ یہ اصول صحیح نہیں نماز تو صرف ایک ہی صورت میں فقہا نے ساقط مانی ہے اور وہ عورتوں کا زمانہ حیض ہے مگر اس کی بھی قضا واجب ہے حالانکہ اس ظہر کی کوئی قضا نہیں۔

بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ اطراف النہار کے معنی ظہر کے سیاق عبارت سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اگر اطراف النہار کے معنی دن کے دونوں کنارے مراد ہوں تو اس کا ذکر پہلے ہی جملہ میں آ گیا ہے، مگر خود قرآن اس قیاس کے خلاف ہے دوسری آیت میں طرفی النہار دن کے دونوں کنارے دن کے معنی میں آیا ہے اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ جس امر پر زور دینا ہوتا ہے اس کو مثانی کر دیتا ہے دیکھو پہلی آیت میں وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن اللیل فسبحہ وادبار النجوم میں بالکل اسی طرح ہے۔ بہر حال یہ بالکل غلط ہے اور خلاف عربی ہے کہ اطراف النہار کے معنی ظہر کے ہیں۔ گو بعض اردو کے مترجمین قرآن نے یہ معنی لکھے ہیں۔

نمازون کے پانچ وقت ہونے مین یہ تو نہ کہون گا کہ مجوس سے لیا گیا۔ البتہ خلافت کی تاریخ پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ جوشیلے مسلمان اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ وہ خدا کی بندگی مین نصاریٰ کے رہبانیین اور مجوس کے موبدان سے کم بندگی کرین اور اسی واسطے یہ حدیث نظر آتی ہے کہ ہماری نماز مین ایک ہی وقت پچاس کے برابر ہے ....

.... یا پھر زنادقہ کا مغالطہ ہے کہ وہ اسلام کو متشدد دکھلا کر عوام کے قلوب کو برگشتہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ اغلال شریعت کا نتیجہ اچھی طرح جانتے تھے قرآن کے پیش نظر صرف تمہاری ذات تمہارا زمانہ، تمہارا ماحول نہ تھا۔ اس کی نظر کی وسعت تمہارے وہم و گمان مین نہین۔ وہ ایسا جنچا تلا حکم دیتا ہے کہ اگر اس حکم سے ایک انچ آگے یا پیچھے بڑھو تو یقینا نیکی برباد گنہ لازم کا مصداق ہوگے۔ قرآن اپنے اوامر و نواہی مین تمام دنیا تمام زمانے اور تمام معاشرت و عادت پر یکسان عمل کرانا پسند کرتا ہے۔ اگر تم اس حکم سے زیادہ کرنے کی توفیق رکھتے ہو۔ تمہاری خوشی۔ لیکن تم کو کوئی حق نہین کہ تم تمام دنیا کے آدمیون کو اپنا ہی سا سمجھ لو۔ اس لیے قرآن کے عمومی اوامر و نواہی اور اصول کو اپنے قیاس سے ایک خاص زمانہ و ملک و معاشرت مین محدود کر دینا درحقیقت قرآن کے منشا کے خلاف ہی نہین بلکہ ناروا جسارت ہے اور قرآن کی حکمت بالغہ و وسعت نظری کا اپنی بے عقلی اور کم نظری سے مقابلہ اگر تم اس لیے پیچ و تاب کھاتے ہو کہ غیر مسلم کی عبادت و شریعت کے مقابلے مین قرآن کی آسانیان بچون کا کھیل ہین۔ اور تم سے غیر مذہب کے طعنے سنے نہین جاتے تو یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے۔ تم قرآن کو محرف کہو، ناقص کہو، منسوخ کہو مگر اہل ذکر کے سامنے یہ سب تمہاری بکواس ہے۔ تمہارے فرشتون کو بھی خبر نہیں کہ ان آسانیون مین کتنی مصلحتین مضمر ہین۔ اور کتنی قومین اپنی معاشرت و عادت کو تبدیل کیے بغیر اسلام کی طرف مائل ہون گی۔ تم ایک خاص ماحول سے متاثر ہو رہے ہو مگر تمہارے بعد ایسا زمانہ آوے گا جن کی حالتون مین اور تمہاری حالتون مین زمین و آسمان کا فرق ہو گا۔ حتی کہ تم اگر زمین پر لیٹنا اور سونا ایک فطری بات جانتے ہو گے تو دوسری قومین اس کو بالکل انسانی فطرت و عادت کے خلاف پائین گی یقینا تمہاری خود ساختہ شریعت تمہارے لیے بیکار ہوگی لہذا انسانی قیاسات و شریعتین ایک محدود قوم و زمانے مین کارآمد ہو سکتی ہیں۔ خصوصاً جب کہ قوم مین کوئی تبدیلی نہ ہو۔ البتہ مسلمانون پر آفرین ہے کہ اس کلیہ کو انھون نے عجیب طریقے سے نبھایا ہے یعنی بجائے شریعتون کے تبدیل کرنے کے انھون نے اپنی حالت کو بدلنا گوارا نہ کیا تاکہ شریعت قدیم قابل عمل ہو سکے۔ وہ شام کے وقت تفریح گاہ مین نہ جائین گے کہ کہین مغرب کی نماز قضا نہ ہو۔ وہ دن کو کارخانون مین اور کچہریون اور مدرسون مین نہ جائین گے کہ کہین ظہر کی نماز قضا نہ ہو۔ لیکن قرآن نے کبھی نہین کہا قرآن کے ملہم غیب ہونے کا سب سے زبردست ثبوت میرے نزدیک یہی ہے کہ اسکے اوامر نواہی ہر زمانہ و وقت و ملک کے لیے قابل عمل ہین۔

حق گو

مصحفی اور داغ

داغ کا کلام بظاہر دلی کے رنگ سے بالکل الگ نظر آتا ہے اس لیے بعض لوگ ان کی شاعری کا سلسلہ جرأت سے ملاتے ہیں اور ان کی شاعری کی تاریخ جرأت کے زمانے سے شروع کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی باوجود اس اشتراک کے داغ اور جرأت کے رنگ میں نمایاں فرق و امتیاز موجود ہے

حقیقت یہ ہے کہ جرأت اور انشا سے پہلے غزل گوئی کے دو مختلف رنگ قائم ہو چکے تھے ایک خواجہ میر درد پر اثر اور راسخ کا رنگ تھا جس میں محبت حقیقی کے پاک جذبات نہایت مہذب الفاظ میں ادا کیے جاتے تھے اس لیے اس رنگ کو تصوف و معرفت سے گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرا رنگ میر تقی میر کا تھا جس میں عشق حقیقی کے ساتھ عشق مجازی کے پاک جذبات بھی شامل ہو گئے تھے اور سودا، قائم، یقین، میر حسن اور بیان وغیرہ کا بھی قریب قریب یہی انداز تھا، قدما کے تیسرے دور میں مصحفی نے بھی یہی روش اختیار کی تھی اور تغزل کا بہترین نمونہ قائم کر دیا تھا لیکن جرأت اور انشا نے اس سے آگے قدم بڑھایا اور شاعری میں رندی و ہوسناکی کے جذبات کا عنصر غالب کر دیا، اور یہیں سے اس معاملہ بندی کی بنیاد قائم ہوئی جس پر متاخرین شعرائے لکھنؤ نے بلند عمارتیں کھڑی کر دیں،

(گل رعنا)

لیکن با ایں ہمہ اب تک میر کے تغزل کا اثر باقی تھا اس لیے جرأت کے کلام میں بھی میر کے تغزل کا ایک حصہ شامل ہے۔ خصوصاً عاشق و معشوق کے باہمی تعلقات کو جس خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ مسلسل غزلوں میں ظاہر کیا گیا ہے وہ جرأت ہی کا حصہ ہے۔ ان کے مقلدین یہ کیفیت پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ سچ ہے کہ جرأت کے یہاں بعض عریاں شعر بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس قسم کے اشعار بھی داغ کے رنگ سے بالکل الگ ہیں۔ اس بنا پر داغ کا سلسلہ جرأت اور انشا سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے اور وہ بظاہر آتش کے تلامذہ سے جا کر ملتا ہے۔ جنہوں نے عشق و محبت کے آداب کو بالائے طاق رکھ کر معشوق سے بے محابا گفتگو کرنے سے پرہیز نہیں کیا۔

جو باتیں داغ کے خوشنما کلام میں بدنمائی کا پیوند لگاتی ہیں وہ تمام تلامذۂ آتش کے یہاں موجود ہیں۔ لیکن انکا رنگ اس قدر شوخ اور ہموار نہیں ہے اور رعایت لفظی کے گورکھ دھندے اور کنگھی چوٹی کے الجھاؤ سے بھی نہیں نکلا

مبتذل اشعار کی کثیر تعداد بھی موجود ہے۔ البتہ داغ نے اس دریا کو اس قسم کے خس و خاشاک سے اسقدر پاک کردیا ہے کہ یہ تنکے ان کی کشتی کی روانی مین مطلق رکاوٹ نہین پیدا کر سکتے۔

یہ کہنا بعید از حقیقت ہے کہ داغ کا کلام تمام و کمال دلی کے رنگ سے علٰحدہ ہو گیا کیونکہ اس مین جا بجا متصوفانہ اور صوفیانہ رنگ کے بلند پایہ اشعار بھی نظر آتے ہین اور متوسطین کے دور مین دلی کے شاعرون نے شعرائے فارسی کی تقلید مین جو انداز بیان اختیار کیا تھا داغ نے بھی صفائی و برجستگی کے اضافہ کے ساتھ اسی کو قائم و برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

معاملات عاشقانہ کے اظہار مین مرزا داغ کا نام حد سے زیادہ بدنام ہے اور اس مین ذرہ بھر مبالغہ نہین کہ اردو کے کسی شاعر نے اس کثرت کے ساتھ مضامین عشقیہ کو اپنے کلام کا مقصود حقیقی نہین گردانا۔ داغ کے تمام دیوانوں کی پڑتال کی جائے تو کم سے کم سیکڑون اشعار ایسے نکلین گے جن مین وصل و ہجر، شکوہ و شکایت اور رشک و رقابت کے نہایت کھلے کھلے نقشے کھینچے گئے ہون۔ حتیٰ کہ جلی کٹی۔ طعن و تشنیع چھیڑ چھاڑ، لاگ ڈانٹ، چھین جھپٹ وغیرہ رکیک مضامین سے بھی احتراز نہین کیا گیا۔ انتہا یہ ہے کہ بعض بعض مقامات پر معشوق کو ایسی کھری کھری سنائی گئی ہین جن کا بار سچی عاشقانہ شاعری کے کاندھون سے نہین اٹھ سکتا۔ ایسے تمام اشعار کا طرز بیان نہایت ہلکا، خارج از تہذیب اور غیر سنجیدہ ہے جو تعلیم یافتہ گروہ مین لائق پذیرائی نہین اور مہذب سوسائٹیان اپنے گوش شنوا کو تکلیف شنوائی اٹھانے کے لیے مجبور نہین کرتین۔

داغ کی نگاہ مین معشوق کی کوئی حیثیت اور عشق کا کوئی مرتبہ نہ تھا وہ محبت کو تفریح کا ایک مشغلہ اور شاعری کو تفنن طبع کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ شاید ایسا شعر داغ کے سوا کوئی شاعر نہین کہہ سکتا ؎

تم کہتے ہو معشوق اطاعت نہین کرتے عاشق بھی تو معشوق کا نوکر نہین ہوتا

دُنیائے عشق مین غیر اور رقیب کا وجود ویسے ہی ناقابل برداشت سمجھا جاتا ہے چہ جائیکہ معشوق کے ساتھ اسکا خلا ملا لیکن مرزا داغ کا ظرف عشق اس کو ٹھنڈے دل سے گوارا کرنے کے لیے تیار رہے اور اس واقعہ سے تیور پر بل آنے کے بدلے صرف تیکھے پن کے ساتھ شکوہ کر دینا کافی ہے ؎

تم کو ہے وصل غیر سے انکار اور اگر ہم نے آکے دیکھ لیا

اس لحاظ سے مرزا داغ کے کلام کو کسی ایسے شاعر کے کلام کے سامنے لانا جس کے درد انگیز خیالات لذت روح کا کافی سامان رکھتے ہون صرف ناموزون ہی نہین بلکہ قابل اعتراض بھی ہے۔ البتہ صفائی، روانی، شوخی، برجستگی اور لطف زبان مین نواب مرزا خان داغ نے اس قدر ناموری حاصل کی کہ متاخرین کے دور مین ان کا یہ رنگ مخصوص رنگ قرار پایا اور صرف ان کے مقبول عام کلام پر دلی کی شاعری کا انحصار رہ گیا۔ فقردن کا موسیقیت آمیز توازن

جیسا داغ کے یہاں ہے اردو شعرا میں شاید ہی کسی کو نصیب ہوا در پھر شاذ و نادر نہیں بلکہ اکثر محاورات کا استعمال جس خوبصورتی کے ساتھ ان کے یہاں ہوا ہے اس کی نظیر ملنا دشوار ہے لطف زبان اور حسن بیان کے زور سے معمولی سے معمولی بات کو بڑی بات بنا کر پیش کر دینا کہ سننے والا یک لخت تڑپ اُٹھے صرف داغ کے عام فہم کلام کی خصوصیات میں داخل ہے۔ حسن بندش سے پامال اور غیر مانوس طرحوں کو چمکا دینا داغ کا حصہ تھا اور ان کا دعویٰ بالکل حق بجانب معلوم ہوتا ہے کہ ؎

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ ہندوستاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

مصحفی مرحوم کا معاملہ داغ سے بالکل برعکس ہے وہ معاملات عاشقانہ کو پورے جوش کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ لیکن احتیاط کے ساتھ کہ سننے والوں کے دل مزا لیتے ہیں اور پڑھنے والوں کی زبان ہر ہر لفظ پر بے ساختہ تحسین و آفرین کے پھول برساتی ہے۔

مصحفی مرحوم کی نگاہ میں عشق عشق ہے بوالہوسی نہیں ہے۔ اس لیے ان کے خیال میں نہ معشوق اتنا ذلیل ہے کہ ہر کس و ناکس مقابلہ کا دعویٰ کر بیٹھے نہ عاشق اتنا کم ظرف کہ جا دبے جا معشوق کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے فرماتے ہیں

کیا برا ہے کہ رہے مصحفی اب یاں درِ ذات تم یہی جانیو دربان ہے در پر رکھا

یوں دیکھتا ہوں دیدۂ حسرت سے اسکو میں جیسے نظر گدا کی رُخِ بادشاہ پر

معشوق اسکو کہتے ہیں بعد از ہزار سال آئے بھی خواب میں تو نہ بولے حجاب سے

تم ہم کو اپنا منہ نہ دکھاؤ تو خوب ہے پردہ میں اور چاہ بڑھاؤ تو خوب ہے

مصحفی کی آنکھ اول تو محفل دوست میں غیر کو دیکھنا گوارا نہیں کرتی اور اگر بفرض محال ایسا ہوتا بھی ہے تو اس کے اظہار کا مستحسن طریقہ یہ ہے ؎

غیر سے گرم ملو، ہم پہ یہ بیداد رہے اور تو کیا کہیں ہم تم سے مگر یاد رہے

ملاپ غیر دن سے ہے ہمسے بیوفائی ہے یہ کون شیوہ ہے کیا رسم آشنائی ہے

مصحفی مرحوم اور مرزا داغ کے شاعرانہ کارناموں میں بعینہ وہ نسبت ہے جو رُخ اور رخسارے میں ہوا کرتی ہے یعنی شیخ مرحوم جب عاشقانہ شعر کہتے ہیں تو اپنی شاعری کو بوالہوسی کے داغ سے پاک صاف رکھتے ہیں اور معانی کیساتھ الفاظ کو بھی ان حدود سے باہر نہیں نکلنے دیتے جو حقیقی شاعری کے چہرے کے لیے آرائش و زیبایش کا کام دیتے ہیں اور مرزا داغ قصداً آنا اڑا تا سامعین کے منہ سے واہ واہ حاصل کرنے کے لیے ان خار دار جھاڑیوں میں ہو کر نکلتے ہیں جہاں ذرا سی بے احتیاطی

دامن شاعری کو پرزے پرزے کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ذیل کے دو شعرون سے دونون کا رنگ متمائز ہو سکتا ہے مصحفی مرحوم کا شعر ہے ؎

لطف تب ہے کہ ہوا کھولتی جائے اسکو　　اور تم پردے مین منھ اپنا چھپاتے جاؤ

مرزا داغ اسی مضمون کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین۔ ؎

یہ سیر ہے کہ ڈوپٹہ اڑا رہی ہے ہوا　　چھپاتے ہین جو وہ سینہ کمر نہین چھپتی

دونون شعرون مین معشوق کی کیفیت پردہ پوشی اور ہوا کی سعی پردہ دری کا بیان ہے فرق صرف یہ ہے کہ مرزا داغ نے پردے کے بجائے دوپٹہ اور منھ کے بجائے سینہ کہہ کر شعر کو روحانیت کے درجے سے مادیت کے درجہ مین تبدیل کر دیا ہے اور اس تغیر کے بعد وہی مضمون جو اصل حالت مین کوئی چیز تھا اس قدر عریان اور سوقیانہ ہو گیا ہے کہ طبیعت کو انبساط کے بجائے انقباض ہوتا ہے۔

مصحفی مرحوم کی شاعری کا دائرہ نہ اس قدر مختصر ہے کہ ہم چند اوراق مین احاطہ کرلین نہ ایسی کوئی خاص ضرورت ہے کہ یہان درج کرنا پڑے لیکن اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ انھون نے عاشقانہ شاعری کو شاعری کی حیثیت سے اختیار کیا تھا اور جذبات و واردات کے اظہار کے ساتھ اپنی نفاہت و متانت کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے مین اس استقلال و جوان مردی کا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر دستیاب ہونا مشکل ہے۔ محققین کی شہادتین ان کے اوصاف کمال کی دستاویز پر مہرین ہین جن کو زمین و آسمان کی گردش قیامت تک صفحۂ دہر سے محو نہین کر سکتی۔ مولانا عبد السلام کا یہ قول رہتی دنیا تک قائم رہے گا کہ "مصحفی بلا شبہ اپنے دور کے شعراء مین سب سے زیادہ متین سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ سنجیدہ ہین" اور مولانا عبد الحی کے اس مقولہ کی صداقت روز روشن کی طرح آشکارا رہے گی کہ "مصحفی نے بھی یہی (میر تقی وغیرہ کی) روش اختیار کی تھی اور تغزل کا بہترین نمونہ قائم کر دیا تھا"

معنویت سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو الفاظ کی سلاست اور زبان کی نفاست مین بھی ان کے کلام کو معاصرین کے مقابلے مین خاص تفوق و برتری حاصل ہے۔ شتر گربگی فحاشی جس کلام کو چھو کر نہ نکلی ہو اس کے اچھا ہونے مین کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

مصحفی مرحوم الفاظ کے نشیب و فراز فقرون کے جوڑ توڑ اور جملون کی تراش خراش سے بے خبر نہ تھے وہ مصلح زبان بھی تھے اور مصلحین کو اصلاح کا صحیح راستہ بتانے والے بھی اس لیے اگر ان کا کلام پستی و بلندی کے بدنما عیب سے مبرہ و منزہ ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے۔

مین یہ دعوے نہین کرتا کہ مصحفی کے تمام دواوین صفائی و برجستگی مین یکسان ہین اور ان مین ایک شعر بھی ایسا نہین جسے سبک اور پست کہا جا سکے۔ میر تقی میر، میرزا غالب، میر درد وغیرہ جس قدر شعرا اپنی بلند پایہ شاعری کی بدولت مشہور ہین

ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے کلام کی یکسانیت معترضین کو زبان کھولنے سے باز رکھ سکے تو پھر مصحفی اس اصول سے کیسے باہر جا سکتے ہیں۔ البتہ دیکھنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آج زبان کی جس سلاست و روانی کے طفیل مرزا داغ کی شاعری فصیح الملک اور بلبل ہندوستان کے زرین تاج زیب سر کرنے کا استحقاق رکھتی ہے اس کے نہایت دلکش نمونے اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر ایک استاد کے قلم معجز رقم سے نکل چکے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ ناسا عدت روزگار نے ان جواہر پاروں کو ناقدری و کساد بازاری کے گرد و غبار سے بے آب کر کے اصل قیمت سے گرا دیا ہے اپنی نگاہ سے تعصب، ہٹ دھرمی اور طرف داری کا پردہ اٹھا کر دیکھو کہ میرے بیان میں کس قدر صداقت ہے تم خود کہہ دوگے کہ جہاں مصحفی مرحوم نے سلاست و روانی اور برجستگی و بے ساختگی کے جوہر دکھائے ہیں وہاں اشعار کو ایک گلدستہ رنگا رنگ بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس میں فقروں کا توازن، ادائے مطلب کا سیکھا پن، بندش کی چستی زبان و محاورے کی درستی، گلہائے سدا بہار کی طرح بے نقاب ہو کر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہر عنوان کے تحت میں چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

فقروں کا موسیقیت آمیز توازن مصحفی مرحوم کے کلام میں اس قدر ہے کہ انتخاب کرنا مشکل ہے، مرحوم نے اول تو غزلوں کے لیے بہت سی بحریں اور زمینیں ایسی استعمال کی ہیں جن میں خواہ مخواہ موسیقیت ہے۔ اور جب اسکے ساتھ فقروں کا توازن بھی موجود ہو تو کیفیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ میر تقی میر کے انداز بیان میں ہمنے کافی تشریح سے کام لیا ہے یہاں چند اور مثالوں کا اضافہ کرتے ہیں۔

میں اک دم چین سے رستے میں اس بت کے کہاں بیٹھا		کبھی اٹھ کر یہاں بیٹھا، کبھی اٹھ کر وہاں بیٹھا

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا		کبھی اس سے بات کرنا، کبھی اس سے بات کرنا

اپنی تو اس چمن میں عمر اس طرح سے گذری		یاں آشیاں بنایا، واں آشیاں بنایا

اے مصحفی کھول آنکھیں پیری میں تغافل سے		وہ صبح ہوئی پیدا، وہ وقت سحر آیا

ساقی شراب لایا، مطرب رباب لایا		مجھپر تو اک قیامت عہد شباب لایا

تیرون پہ تیر کھا کر زخمون پہ زخم کھا کر
اس کی گلی سے آئے ہم خون مین نہا کر

دیکھا جو اس کو غش کہا اب کیا مرے دلکو خبر
ساقی کجا، مے کسطرف، مجلس کدھر، جانان کہان

نہ نسیم نامہ بر ہو، نہ صبا پیام بر ہو
مجھے کس طرح سے یارب مرے حال کی خبر ہو

کس ناز کا آنا ہے، کس قہر کا جانا ہے
قرباں ترے آنے کے صدقے ترے جانیکے

وعدے کی شب جو کل تھی کیا بیقرار تھے ہم
سو بار گھر سے نکلے، سو بار گھر مین آئے

قتل ہے مرغوب اسکو، مجکو جینا شاق ہے
مین اِدھر مشتاق ہون، قاتل اُدھر مشتاق ہے

قضا نے مقتل عُشاق کے نقشے مین ہر جا پر
زبان سر بھی بنایا ہے جہان شمشیر رکھی ہے

دل پیچ زلف سے ہو کیونکر رہا کسی کا،
گر دام ہے تو یہ ہے زنجیر ہے تو یہ ہے
ابرو کے آگے مجکو لازم ہے سر جھکانا
محراب ہے تو یہ ہے شمشیر ہے تو یہ ہے

نزاکت عاشق و معشوق کی یکسان نہین ہوتی
مری گفتار نازک ہے تری رفتار نازک ہے

نکھرا ہوا کیا چہرہ اُس آئنہ رو کا ہے
شعلہ ہے شرارہ ہے آتش ہی بھبوکا ہے

کبھو تک کے در کو کھڑے رہے کبھی آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچے مین جو ہم آئے بھی، تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے
نہ انیس ہی، نہ جلیس ہے، نہ رفیق ہی، نہ شفیق ہے
ہم اکیلے گھر مین پڑے رہے، سبھی لوگ گھر کے چلے گئے
کرون موئے زلف کا کیا بیان، یہ عجیب قصہ ہی درمیان
یہ اِدھر کو سینے پہ آ رہی، وہ ادھر کمر کے چلے گئے

محاورہ بندی مین مصحفی مرحوم کو خاص امتیاز حاصل ہے مین نے متعدد مرتبہ ان کے کلام پر نگاہ ڈالی ہے اور اس کثرت مطالعہ کے بعد یہ خیال میرے صفحۂ دل پر نقش ہو گیا ہے کہ مصحفی مرحوم نے اپنے عہد کا کوئی فصیح محاورہ نہین چھوڑا جسے مناسب محل پر استعمال نہ کیا ہو بلکہ بعض بعض محاورات تو اس قدر حسن و خوبصورتی کے ساتھ کلام مین لائے گئے ہین کہ انکا محل استعمال اس سے زیادہ اچھا خیال مین نہین آسکتا۔ محاورات کا جس قدر ذخیرہ کلام مصحفی سے دستیاب ہو سکتا ہے میرا دعویٰ ہے کہ اردو زبان کے کسی قدیم و جدید شاعر کے یہان سے دستیاب نہین ہو سکتا آزاد نے بھی جن کو شیخ مرحوم سے دلی کاوش تھی اور جو شیخ کی ہر صفت شاعرانہ کو عیب کر کے دکھانے مین کہین نہین چوکتے تھے اپنی تصنیف مین مجبوراً اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر حالت مین اصل محاورے کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اور یہ ان کے کمال فن کی ایسی تصدیق ہے جس کی تکذیب کا کوئی پہلو باقی نہین رہتا۔ چند خاص مثالین ملاحظہ ہون۔ ؎

کیا غیر کا کھٹکا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا
یہ منہ مجھے تیرا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

اول تو مجھے خط مین سنائی ہین ہزارون
آخر مین یہ لکھا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

رہا کر اب تو اسیر قفس کو اے صیاد
کلی چٹکنے لگی رنگ پر گلاب آیا

دھویا نہ گیا خون مرا تیغ سے اسکی
کمبخت یہ پانی جو پڑا اور بھی چمکا

یہ بھی نیا جنون ہے کہ کانٹون سے چھوٹ کر
روئے ہم آبلے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر

یہ اس کے حسن کی نیرنگیان ہین
تکلف برطرف کیا حسن کیا عشق

بھاڑ مین جائے بڑے چوچلے مین کیا کام مجھے
ہو نہین سکتی ہے اب مجھ سے تو غمخواری دل

ہماری طرف آپ کم دیکھتے ہین
وہ آنکھین نہین اب جو ہم دیکھتے ہین

نہ بیٹھو ابھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
کمان ہاتھ مین لوٹنے بہت ہین

کیوں نہ چھاتی سے میں لگا رکھوں داغ سینے کے مجھکو پیارے ہیں
مصحفی آنسوؤں پر اتنا ناز ایسے کیا عرش کے یہ تارے ہیں

لایا کبھی نہ رو بہ شفا عشق کا مرض سو صورتیں اگرچہ اس آزار کی پھریں

فلک کی خبر کب ہے ان شاعروں کو یونہی گھر میں بیٹھے ہوا باندھتے ہیں

میں مرگیا ٹلی مری چھاتی کی سل کہیں پیوند ہو زمین کا الٰہی یہ دل کہیں

خوار رکھتا ہے اب تلک ہم کو دیکھ سکتا نہیں فلک ہم کو

آنکھ ان کو نہیں شناخت کہاں لوگ کچھ سمجھے ہیں، خدا ہے کچھ

لیلیٰ کی جستجو میں ہے کتنا تباہ قیس صحرا میں اُس جوان کی مٹی خراب ہے

غم میں تیرے راحت و آرام سے جاتے رہے گھل گئے ایسے کہ ہم ہر کام سے جاتے رہے

تب ڈبویا ہے تہ رخالق نے جب گنا ہوں سے ناؤ بھری ہے

میرا گناہ کیا ہے جو مجھ بے گناہ پر عالم سمٹ کر آیا ہے رعوائے خلق ہے

کس سے ہم اپنے دیدۂ تر کا کریں گلہ ڈوبے یہ آپ اور ہمیں بھی ڈبو گئے

لیلے کو شام غربت مجنوں نے آلیا محمل گراں ہوا، قدم ناقہ تھک گئے

راہ لے دیر کی گر وسعتِ مشرب چاہے　　کہ ترا دل ابھی اے کعبہ نشین تنگ ہے

اور کچھ مطلب نہیں ہاں رہ گئی ہو آنی بات　　راہ میں اس سے کبھی صاحب سلامت ہو گئی

رکھ کے ہم زانو پہ جس وقت کہ سر بیٹھ گئے　　یہ سمجھ لیجیو کہ ہمسایوں کے گھر بیٹھ گئے

پتھر میں بن گیا ستمِ روزگار سے　　ٹوٹے گا آبلہ نہ مرا نوکِ خار سے

لازم ہے تیغ اے ستم آرا لہو پیے　　اس میں کمی کرے تو ہمارا لہو پیے

قطرے تری پیشانی پہ ہیں سیرِ چمن میں　　ڈرتا ہوں کہ پھولوں پہ کہیں اوس نہ پڑ جائے

کیا مندرجۂ بالا محاورات آپ اپنی نظیر نہیں ہیں ؟ اور کیا اس قدر مثالوں کے بعد یہ تسلیم کر لینے میں کوئی عذر باقی رہ جاتا ہے کہ محاورات فصیح کے استعمال کرنے میں مصحفی مرحوم یگانۂ روزگار تھے ؟

صرف لطفِ زبان سے بات پیدا کرنا داغ کے کلام کی مابہ الامتیاز خصوصیت مانی جاتی ہے لیکن ذرا شیخ مصحفی مرحوم کے دو چار اشعار بھی سن لیجیے :-

گلی سے یار کی قاصد مرا شتاب آیا　　جواب صاف ملا خط کا یہ جواب آیا
کیونکر نتیجہ نیک ہو ردِ سوال کا　　یہ انفعال ان کو مرے انفعال کا
اس قدر قتل میں میرے تجھے جلدی کیا ہے　　ٹھہر اے بُت ! میں ذرا نام خدا کا لیلوں
فلک کی خو نہیں ایسوں کی پرورش ورنہ　　شکستہ حال و فقیر و غریب ہم بھی ہیں
نقشِ شیریں میں ترے حسن کی پرداز کہاں　　یہ نزاکت ، یہ ادا ، اور یہ انداز کہاں
تیغ ہے خنجر ہے دشنہ ہے چھری ہے تیر ہے　　کچھ تو بجھاؤ تشنگی کو دلِ غمناک کی
کارواں دور گیا ، پاؤں تھکے ، جی ہارا ،　　کون اب منزلِ مقصود کو پہنچائے مجھے
وہ مصحفی کی قبر کو رستے میں دیکھ کر　　لوگوں سے پوچھتا ہے کہ یہ کس کا مزار ہے
گیا میں اسکی مجلس میں تو وہ دربان سے یوں بولا　　یہ مجلس ہے کہ میلا جو چلا آتا ہے ہر کوئی

زلفین جو منھ میں لین تو کہا مار کھائے گا　　چہرہ مین ہوین تو بولے کہ تلوار کھائے گا
ہے گرفتاری دل باعث بیماری دل　　ہون نہ بیمار اگر ہو نہ گرفتاری دل
گلی مین اس کی مین جا کر رہا تو غیرت عشق　　یہ بولی، اٹھ ترے رہنے کا یہ مقام نہین

تیکھا پن بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ موت　　ہم بھی سمجھتے ہین یہ سناتے ہو ہمکو کیا
فتنے سے کہہ رہی ہے تری شوخی خرام　　مین سیر کو چلون مرا دامن سنبھال لو
یہ مجھ سے کیا کہا کہ پئے قتل سر جھکا　　خنجر تو آپ پہلے کمر سے نکالیے
نیند غفلت کی تمھین آتی ہے کیونکر دیکھین　　ایک شب ہم بھی سنائین گے فسانہ اپنا
کر دل کی ذرا سیر کہ ہے سیر اسی مین　　کعبے کی اسی مین ہے بنا دیر اسی مین
مجھ کو کیا کام کہ اس کوچے مین جاؤن اے دل　　تو گرفتار ہے کچھ مین تو گرفتار نہین
سنسان دشت مین مجھے لیچل نہ اے جنون　　ظل درخت، سایۂ دیوار کچھ تو ہو
دل نہ سمجھو کہ فرشتون نے جلانے کیلیے　　رکھ دیا ہے مرے پہلو مین اک انگارے کو
مجھ سے کہتا ہے کہ گلیون مین لیے پھر ہر دم　　دل کمبخت کوئی تیرا خریدار بھی ہے
بھٹکتی پھرتی ہے لیلے سوار ناقے پر　　جدھر ہے وادی مجنون ادھر نہین آتی
قاصد کوئی تم کا ہے کو بھیجو گے مرے پاس　　نامہ تو وہ لکھے کہ جسے یاد ہو کوئی
نرگس تری آنکھون کو بہت دیکھ رہی ہے　　ہو جائے نگاہون مین مکافات ذرا سی

بندش کی چستی اور ترکیبون کی درستی چھپنے والی چیز نہین مضامین حد سے زیادہ بلند ہون یا نہ ہون لیکن مصحفی مرحوم کے ہر شعر کا انداز بیان الفاظ کی نشست اور جملون کا ڈھال اس قدر دلکش ہے کہ تیر کی طرح دل مین گھر کر لیتا ہے آزاد کی کوتاہ بینی کی طرف نہ دیکھیے جن کو کلام مصحفی کے مصفا آئینے مین اپنی ہی کدورت کا عکس نظر آتا ہے بلکہ غیر متعصب محققین کے اقوال سے استدلال کیجیے بار بار کوشش کرتا ہون کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے کم سے کم اشعار سے کام لون لیکن ہر شعر کی کشش بزبان حال پکارتی ہے کہ خبردار مجھے نہ چھوڑنا مین گلستان سخن کا اچھوتا پھول ہون ؎

بحر جہان مین آمد و شد جلد جلد ہو　　مانند قطرہ جا تو برنگ حباب آ

ہم جو تنہائی مین فریاد کیا کرتے ہین　　وصل کی شب کے مزے یاد کیا کرتے ہین
کام کر جاتی ہین تری آنکھین　　چپکے چپکے ہزار آنکھون مین

دل جانتا ہے خوب نہ ہوگا کوئی اثر   فریاد بھی بلند ہے دستِ دعا کے ساتھ

سینے میں داب داب کے رکھوں کہاں تلک   دل ہاتھ کے تلے، جگر انگشت کے تلے

دلِ بے تاب مرا کوئی گھڑی ہے شاید   خود بخود چوٹ لگی خود بخود آواز ہوئی

اے دل تلاشِ یار میں پھرتا ہے تو عبث   خواہش عبث، امید عبث، آرزو عبث

منظور کب تھا کعبہ و بتخانہ دیکھنا   دونوں جگہ تھا جلوۂ جانانہ دیکھنا

چمن ہے دیدۂ خونبار سے سُرخ   بہارِ لالہ ہے داغِ جگر تک

ساتھ لے جائے کہاں عشق کی رسوائی کو   گور بھی تنگ ملی ہے ترے سودائی کو

کیا قہر ہے کہ ان کو سکھاتا ہے نازِ حسن   تم چال وہ چلو کہ کسی کا چلن نہ ہو

جتنی الفت زیادہ ہوتی ہے   دل کی حسرت زیادہ ہوتی ہے

ادھر روان ذرا ادھر دیکھ   جی جاتے ہیں تیری چال کے ساتھ

اُٹھتے ہی ترے شورِ قیامت بھی گیا بیٹھ   او فتنۂ برخاستہ از بہرِ خدا بیٹھ

جاؤں میں کر کے پاس مرا آشنا ہے کون   دنیا میں بے وفا ہیں سبھی با وفا ہے کون

لے کے خنجر جو کیا چاک جگر اُس نے مرا   ٹکڑے الماس کے دو چار جگر سے نکلے

واحسرتا نصیب نے چونکا دیا ہمیں   آئی نظر جو خواب میں صورت وصال کی

سوزن کا ہے نہ کام، نہ ناخن کی ہے جگہ   کیونکر مژہ کی پھانسی جگر سے نکالیے

زبان کی پاکیزگی اور بیان کی صفائی نے شیخ مصحفی کے کلام میں جو اثر و درد جمع کیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرحوم کے بہت سے اشعار اپنی دل آویزی کی وجہ سے زبان زدِ خاص و عام ہیں، اہلِ درد بغیر اس علم کے کہ یہ شعر کس کا ہے پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں اور یہ اس حالت میں ہے کہ میر تقی میر، مومن خان یا مرزا غالب کی طرح مصحفی مرحوم کا کوئی حقیقی پرستار موجود نہیں۔

ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

شیخ کعبہ سے اُٹھ نکل باہر   گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا

شوق سے گرمیٔ عارض وہ دکھائیں مجکو   موم کا تو میں نہیں ہوں کہ پگھل جاؤں گا

کام کر جاتی ہیں تری آنکھیں   چپکے چپکے ہزار آنکھوں میں

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت کے دل مرا بھر جائے   پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا بھی جائے

غم کھاتا ہون جتنا مری نیت نہین بھرتی　　　کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہین بھرتی
صبح سے شام ہوئی شام سے پھر رات ہوئی　　　یہی وعدے ہین تو کب اُنسے ملاقات ہوئی
اجل لگائے ہوے تاک ہر کسی پر ہے　　　بہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے
پھٹ گیا جب سے گریبان تب سے　　　ہاتھ پر ہاتھ دھرکے بیٹھے ہین
اے فلک آپ کو اتنا جو پھرایا تو نے　　　کوئی معشوق بھی عاشق سے ملایا تو نے
شاہد رہیو تو اے شبِ ہجر　　　جھپکی نہین آنکھ مصحفی کی
لوگ کہتے ہین محبت مین اثر ہوتا ہے　　　کون سے شہر مین ہوتا ہی، کدھر ہوتا ہے
ترا شوقِ دیدار پیدا ہوا ہے　　　پھر اس دلکو آزار پیدا ہوا ہی
بلبل کے مشتِ پر بھی اڑادو تو سیر ہے　　　غنچون کو چٹکیون مین تو آخر اڑا چلے
نہ کہین صبح ہی ہوتی ہی نہ خواب آتا ہے　　　رات کیا آتی ہے اک سر پہ عذاب آتا ہے
جو ملا اس نے بیوفائی کی　　　کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا
عاشق سے بھی ہوتا ہے کہین صبر و تحمل　　　وہ کام بتاتے ہو جو آتا نہین ہمکو
زندگی ہے تو خزان کے بھی گذر جائینگے دن　　　فصل گل جیتون کو پھر اگلے برس آئی ہے
چل چل کے جو رہ جاتا ہے ہر بار گلے پر　　　یہ ناز نہ ہمسے ترے خنجر کے اٹھین گے
شکل امید تو کب ہم کو نظر آتی ہے　　　صورتِ یاس بھی بن بنکے بگڑ جاتی ہے
حسرت پر اس مسافر بیکس کی روئیے　　　جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے
بلبل نے آشیانہ جب اپنا اٹھا لیا　　　پھر اس چمن مین بوم بسے یا ہما بسے

مصحفی اور مرزا داغ کے کلام مین معنوی حیثیت سے جو فرق ہے اسے مین ظاہر کر چکا ہون لیکن اب چند اشعار تقابل کی صورت سے بھی پیش کیے جاتے ہین۔ مصحفی مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

اول تو مجھے خط مین سنائی ہین ہزارون　　　آخر مین یہ لکھا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

مرزا داغ اس شعر پر اس طرح قبضہ کرتے ہین ؎

خط مین مجھے اول تو سنائی ہین ہزارون　　　آخر یہی لکھتا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

مصحفی مرحوم کا شعر ہے

اب نہ فرہاد ہے نہ مجنون ہے　　　رہ گیا عاشقون کا افسانہ

مرزا داغ چند الفاظ غیر ضروری اضافہ کرکے یوں کہتے ہین

باقی جہان مین قیس نہ فرہاد رہ گیا   افسانہ عاشقون کا مگر یاد رہ گیا

مصحفی مرحوم کا شعر ہے ؎

وعدے کی شب جو کل تھی کیا بیقرار تھے ہم   سو بار سے گھر سے نکلے سو بار گھر مین آئے

اور مرزا داغ اس طرح ادا کرتے ہین ؎

شب وعدہ نہ ہوا ایک جگہ مجھ کو قرار   صبح تک مین کبھی گھر مین کبھی باہر آیا

شعر اول کی بے ساختگی اور طرز ادا خصوصیت کے ساتھ دلکش ہے۔ دوسرے شعر مین یہ بات پیدا نہ ہو سکی

مصحفی مرحوم کا ایک بانکا شعر ہے ؎

جادۂ شمشیر تھا یا کوچۂ یار   پاؤن کے رکھتے ہی یہان سر گیا

مرزا داغ کے یہان یہ شعر اس طرح ادا ہوا ہے ؎

گلی مین یار کی جانا ہی جان سے جانا   جو پاؤن رکھتے ہین وہ تن پہ سر نہین رکھتے

دوسرے مصرعون کا تقابل پورے شعر کے تقابل کے لیے کسوٹی ہے۔

مصحفی مرحوم کا ایک خاص شعر ہے ؎

اسطرف ہم ہونگے رخصت اسطرف تم جائیو   کاٹ لے اے شمع اک شب گریہ و زاری مین اور

مرزا داغ اس طرح فرماتے ہین ؎

اے شمع ہمارا ساتھ دینا   تکلیف ہے اور دو پہر کی

دونون کا فرق اظہر من الشمس ہے

مصحفی مرحوم کا ایک اور شعر ہے ؎

بیٹھ کر وہ جہان سے اٹھتا ہے   ایک فتنہ وہان سے اٹھتا ہے

مرزا داغ کہتے ہین ؎

فتنہ ان کے قدم سے اٹھتا ہے   ہر قدم کس ستم سے اٹھتا ہے

شیخ مصحفی کا شعر ہے ؂

حیران ہوں اسقدر کہ شب وصل بھی مجھے
تو سامنے ہے اور ترا انتظار ہے

مرزا داغ نے یہ حیرانی ان الفاظ میں ظاہر کی ہے ؂

اس بت پہ احتمال ہے تصویر کا مجھے
عادت گئی نہ وصل میں بھی انتظار کی

فرق بیان کا محتاج نہیں۔

مصحفی مرحوم کہتے ہیں ؂

مقصود ہے آنکھوں سے ترے رخ کا نظارہ
جب تو ہی نہو پاس تو کس کام کی آنکھیں

اب مرزا داغ کی تشریح دیکھیے ؂

مدعا یہ تھا کہ ہم دیکھیں تجھے
ورنہ کیوں نورِ نظر پیدا کیا

کیا دونوں شعروں میں بلحاظ ادا کوئی بھی نسبت ہے ؟

شیخ مصحفی کا ایک خالص عاشقانہ شعر ہے ؂

کیا ادا ہے کہ اسے عکس سے اپنے ہے حیا
آرسی آنکھ سے دیکھے ہے وہ شرمائے ہے

اور مرزا داغ کہتے ہیں ؂

اپنا ہی عکس کیوں نہو اللہ رے حجاب
دیکھا نہ آئینہ کبھی اس نے قریب سے

مصحفی فرماتے ہیں ؂

صفائے دل میں بھی کیا کیا نظر نہیں آتا
جو دیکھو جام جہاں میں سے کم یہ جام نہیں

مرزا داغ کے یہاں بھی یہ جام موجود ہے ؂

گر ذوق سیر ہے کچھ، تو دیکھ میرے دل کو
یہ بھی ہے اک نمونہ، جام جہاں نما کا

اپنے اور غیر کے دل کے دیکھنے میں جو فرق ہے وہی فرق مصحفی مرحوم اور مرزا داغ کے شعروں میں سمجھنا چاہیے۔

مصحفی مرحوم کا ایک بے نظیر شعر ہے ؂

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے

مرزا داغ نے اس سے بھی کام لیا ہے ؎

سنتے ہین خوشی بھی ہے زمانے مین کوئی چیز
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہین کدھر ہے یہ کہان ہے

مصحفی مرحوم کا شعر ہے ؎

دو چار قدم جا کے پھر آتے ہین ہمیشہ
رہتا ہے نیا روز سفر اس کی گلی مین

لیکن مرزا داغ کی بازگشت کا نقشہ یہ ہے ؎

تری گلی مین رہی بازگشت مثلِ نفس
کہ جتنی دور گیا پھر کے اتنی دور آیا

مصحفی مرحوم فرماتے ہین ؎

منھ پہ کہہ دیتا ہے یہ بزم مین سب کا بد و نیک
ہے یہی عیب کہ آئینہ صفا مشرب ہے

اب مرزا داغ کی صفائی دیکھیے ؎

آئینہ منھ پہ برا اور بھلا کہتا ہے
سچ ہے یہ، صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے

مصحفی مرحوم ذیل کے اجتماعات مین ایک بے مثال نقش کھینچ گئے ہین ؎

تصور مین تری رفتار کے ہر موج دریا کا
تماشا دیکھتا ہون مین لبِ آبِ روان بیٹھا

مرزا داغ نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے ؎

یاد آجاتی ہے وہ چینِ جبین دیکھکے موج
لہر سی دل مین ہمارے لبِ جو آتی ہے

تشبیہ کا ان کا حق جیسا مصحفی مرحوم کے یہان ادا ہوا ہے مرزا داغ کے یہان نظر نہین آتا ۔

مصحفی مرحوم فرماتے ہین ؎

جو دیکھے گل کو مرے او ند یکھے تو ہو نڈھال
ہر اک طرح سے مصیبت ہے جانِ بلبل کو

مرزا داغ کے یہان مضمون اس طرح ادا ہوا ہے ؎

ہجر ہے آفتِ جان، وصل بلائے دل ہے
آدمی کیلیے ہر طرح غرض مشکل ہے

مصحفی مرحوم فرماتے ہین ؎

کم نصیبی کا گلا ہے کہ ہم اس دم پہنچے　　　گر کے جب ہاتھ سے ساقی کے سبو ٹوٹ گیا

مرزا داغ اپنی کم نصیبی کو یون ظاہر کرتے ہین ؎

کم نصیبی اس کو کہتے ہین کہ میرے وار پر　　　دستِ ساقی سے ادھر شیشہ ادھر ساغر گرا

مصحفی مرحوم کا شعر نہایت صاف و برجستہ ہے

مرزا داغ کے دوادین مین متعدد غزلین ان زمینون مین ہین جن مین شیخ مصحفی مرحوم کو طبع آزمائی کا موقع ملا ہے اور شیخ مرحوم کے کلام مین سیکڑون اشعار ان قوافی مین ہین جن کو مرزا داغ کی صفائی پسند طبیعت نے اپنے لیے انتخاب کیا ہے۔ یہان اتنا موقع نہین کہ ایک ایک شعر درج کیا جا سکے۔ اسلیے ہم چند خاص اشعار تحریر کرتے ہین۔ جو ارباب فہم کی نگاہ فیصلہ طلب کے لیے کافی ہون گے۔

گر میرے بتِ ہوش رُبا کو نہین دیکھا　　　اس دیکھنے والے نے خدا کو نہین دیکھا　　　داغ

یون مین نے بتِ ماہ لقا کو نہین دیکھا　　　جس طرح کہ بندہ نے خدا کو نہین دیکھا　　　مصحفی

افسوس کہ فرصت مین کبھی غور سے تم نے　　　افسانۂ اربابِ وفا کو نہین دیکھا

ہم نام ہی سنتے ہین فقط مہر و وفا کا　　　آنکھون سے کہین مہر و وفا کو نہین دیکھا

صدقے مین تم نے چھوڑ دیے ہین بہت اسیر　　　مین بھی رہا ہوا، کہ گرفتار ہی رہا

مانندِ مرغ قبلہ نما مرغ دل مرا　　　نکلا نہ آشیان سے گرفتار ہی رہا

جلوے کے بعد وصل کی خواہش ضرور تھی　　　وہ کیا رہا جو عاشق دیدار ہی رہا

ملنے سے میرے یار کو انکار ہی رہا　　　جب تک جیا مین وعدۂ دیدار ہی رہا

زاہد مزہ تو جب ہے عذاب و ثواب کا　　　دوزخ مین بادہ کش نہون جنت مین تو نہ ہو

تیری ہی ذات سے تو ہے وابستہ یہ طلسم　　　ہستی کہان ہماری اگر جسم مین تو نہ ہو

دستِ دعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے　　　جو ہاتھ سے ہو پاؤن سے ہو وہ جستجو نہ ہو

سرگشتہ میری طرح جو رہتا ہے آسمان　　　ڈر ہے مجھے اسے بھی تری جستجو نہ ہو

ملا ئیں آسمان و زمین کو بے غیر مین
ہے کاروان رفتہ فراموشِ نقشِ پا

بجائے ہر ستارہ دُرِ گوشِ نقشِ پا
بانگِ جرس کو سُن نہ سکے گوشِ نقشِ پا

تم شوخیوں سے پاؤں تو رکھو زمین پر
افتادگان وادیِ غربت کی سرگذشت

کھل کھیلتے ہیں اب لبِ خاموشِ نقشِ پا
کرتا ہے خود بیاں لبِ خاموشِ نقشِ پا

روندی نہیں ہے آپ نے کیا قبرِ داغ کی
روندن میں ہم تو ہو گئے پامال مصحفی

پھولوں کی چادروں سے چھپا جوشِ نقشِ پا
از بس کہ اس گلی میں ہوا جوشِ نقشِ پا

اڑا یا جیسے تو نے چٹکیوں میں اسکو اے قاتل
نہ ہم مرہم سے کچھ واقف نہ پھاہے کو سمجھتے ہیں

یہ زخمِ دل بھی ہنس کر منھ چڑھاتا ہے نمکدان کا
ہمارے زخم پر احسان ہے تیرے نمکدان کا

فلک نے خوب خدمت لی ہمارے دیدۂ تر سے
اگر اس زلف کا مذکور بھی کچھ درمیان آتا

کہ ہر آنسو سے منھ دھویا شبِ تاریکِ ہجران کا
فسانہ طول کھینچے گا بہت شبہائے ہجران کا

ہمارے داغِ عصیاں داغ کیا کیا رنگ لائینگے
نوائے بلبلان قدس کا میں سننے والا ہوں

گمان گذریگا دوزخ پر بھی جنت کے گلستان کا
خوش آتا ہے مجھے کب زمزمہ مرغِ گلستان کا

ناوکِ یار سے یہ دل نے کہا مجھ کو چھوڑ
دم بیمار ہوں کیا میرا بھروسہ ہے مسیح

سائے کے ساتھ ترے میں بھی نکل جاؤنگا
جب کڑی مجھ پہ پڑے گی میں نکل جاؤنگا

دل لگاتا نہ کبھی دارِ فنا میں ہرگز
مجھ کو قاصد کے تغافل نے تو مارا ہے ہے

کیا خبر تھی مجھے آج آؤں گا کل جاؤنگا
روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤنگا

اس قدر ناز ہے کیوں آپ کو یکتائی کا
ہے یہاں کس کو دماغ انجمن آرائی کا

دوسرا نام ہے وہ بھی مری تنہائی کا
اپنے رہنے کو مکان چاہیے تنہائی کا

ہو گیا پرتو رخسار سے کچھ اور ہی رنگ   مین نے منہ چوم لیا اس کے تماشائی کا
کیا تماشا ہے جو آتا ہے ترے کوچے مین   قدم آگے نہین بڑھتا ہے تماشائی کا

تھم گئے جم گئے آنکھون مین لہو کے قطرے   خون ظاہر ہے مرے صبر و شکیبائی کا
رہزنِ قافلۂ دل ہوئیں جب وہ آنکھین   پہلے اسباب لٹا صبر و شکیبائی کا

سخت جانون کا تو مشکل سے گلا کٹتا ہے   پہلے پتھر پہ لگا لیجیے خنجر اپنا
خون بسمل سے ہے اس ساعدِ رنگین پہ بہار   تم نے گو پھینک دیا ہاتھ سے خنجر اپنا

توبہ جو مین نے کی نکل آیا ذرا سا منہ   وہ رنگ روپ ہی نہین صبح بہار کا
دیکھو شبیہ عاشق و معشوق کا ورق   گویا مقابلہ ہے خزان و بہار کا

عاشق کی مشت خاک پریشان نہو کبھی   اس مین جو میل ہو ترے دل کے غبار کا
کرے صبا طواف ہمارے مزار کا   پائے گی پھر نشان بھی نہ مشتِ غبار کا

گر تو نہ ہو تو پھر کسی کافر کا دل لگے   دوزخ مین آرمیدہ ارم سے رمیدہ ہون
ہستی سے اپنی مجھ کو نہین مطلق آگہی   عمر گذشتہ ہون کہ مین ہوش رمیدہ ہون

نازک مزاجیون نے مجھے تجھ سا کر دیا   اے بے خبر مین اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہون
مرغانِ باغ مین مرے نالے کا شور ہے   ہر چند مین ابھی نفسِ ناکشیدہ ہون

اللہ رے کشاکشِ دیر و حرم کہ مین   ظالم ہزار ہاتھ سے دامن دریدہ ہون
پیدا ہے میری وضع سے اک شورشِ جنون   دریا نہین، مین سیلِ گریبان دریدہ ہون

سوائے جور و جفا ماورائے بغض و دغا   بتون کے واسطے دنیا مین کوئی کام نہین
دل ایک قطرۂ خون، کوہِ عشق بارگران   تحمل اس کا کرے آدمی کا کام نہین

وہ جدھر کو گئے اٹھایہ شور — وہ قیامت اٹھائے جاتا ہے
مجھکو پامال کر گیا ہے ابھی — یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے

جنبش مین یون ہے وہ لب نازک نفس کیساتھ — جیسے ہلے نسیم سے پتی گلاب کی
صورت عرق مین یون ہے رخِ بیحجاب کی — بھیگی ہو جیسے اُوس مین پتی گلاب کی

لوگ جانین گے قصور انکا نہین اسکا ہے — عشر مین آپ دیے جاتے ہین دشنام مجھے
سادگی دیکھ کہ بوسے کی ہوس رکھتا ہون — جن لبون سے کہ میسر نہین دشنام مجھے

تجھ سے تو ستمگر ترے ارمان ہین اچھے — تو جا کے نہ آیا کبھی یہ عمر بھر آئے
خواہان ہے یہ دل آرزوے زخم دگر کا — جو زخم لگے دل پہ وہ جلدی سے بھر آئے

آخر مین دونون باکمالون کی دو سالم غزلین نقل کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہون۔

مرزا داغ

یون چلیے راہِ شوق مین جیسے ہوا چلے — ہم بیٹھ بیٹھ کر جو چلے بھی تو کیا چلے
بیٹھے اُداس، اُٹھے پریشان، خفا چلے — پوچھے تو کوئی آپسے کیا آے کیا چلے
آئین گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد یہ آفتین — غافل اِدھر اُدھر بھی ذرا دیکھتا چلے
ہم ساتھ ہو لیے تو کہا اس نے غیر سے — آتا ہے کون اس سے کہو یہ جدا چلے
بالین سے میری آج وہ یہ کہکے اُٹھ گئے — اس پر دوا چلے نہ کسی کی دعا چلے
موسیٰ کی طرح راہ مین پوچھے نہ راہِ راست — خاموش خضر ساتھ ہمارے چلا چلے
افسانہ رقیب بھی تو بے اثر ہوا — بگڑے جو سچ کہے سے ہان جھوٹ کیا چلے
رکھا دل و دماغ کو تو روک تھام کر — اس عمر بے وفا پہ مرا زور کیا چلے

بیٹھا ہے اعتکاف مین کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدے کو یہ مردِ خدا چلے

مصحفی مرحوم

جس دم وہ میری خاک کو ٹھوکر لگا چلے
چوکے بہت وہانسے نہ دامن اٹھا چلے

لیلے بھی سیر باغ کو ہوتی نہیں سوار
ناقے کے آگے آگے نہ جبتک صبا چلے

بلبل کے مشت پر بھی اڑا دو تو سیر ہے
غنچون کو چٹکیون مین تو آخر اڑا چلے

اُٹھنے لگے وہ جب مری بالین سے وقتِ نزع
نکلا یہی زبان سے آہستہ کیا چلے

کیا تھا خزان مین باغ مین آنے سے ہمکو کام
آئے تھے آشیانے کو اپنے جلا چلے

یارب یہ مصحفی کی دعا ہے کہ آج کل
شرق سے ایک بار کچھ ایسی ہوا چلے

جو خود بخود سپہر پہ چڑھ مثلِ آفتاب
منبر زمین کو تختِ سلیمان چلا چلے

افسر امروہوی

دونی کتابین

نقاب اٹھ جانیکے بعد۔ حضرت نیاز فتحپوری کے ان افسانون کا مجموعہ جن مین بتایا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو چمکتی ہی سونا نہین" حضرت نیاز کا مخصوص انداز تحریر اور زور قلم ان افسانون مین بدرجہ کمال نظر آتا ہے، جابجا وہ مزاحیہ رنگ جو جناب نیاز کی تحریر کی خصوصیت ہے عجیب لطف دیتا ہے۔ قیمت مع محصول ۸/

لالہ رُخ۔ طامس مور کی اس معرکۃ الآرا مثنوی کا ترجمہ نگار کے اول سال اشاعت مین بالاقساط شایع ہو کر جتنی قبولیت حاصل کر چکا ہے وہ کسی سے مخفی نہین ایک تو طامس مور کی نزاکت خیال اور اسپر ملک کے ادیب جلیل جناب لطیف احمد صاحب اکبر آبادی کا ترجمہ جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اس کتاب مین چار افسانے ہین (۱) ابن مقنع (۲) بہشت اور پری (۳) آتش پرستاران فارس (۴) نور محل اور ہر افسانہ اپنی جگہ نزاکت خیال اور شاعرانہ تخیل کا ایک ایسا بے مثیل نمونہ ہے کہ مشکل ہی سے اسکی نظیر مل سکتی ہے اور جسکو پڑھ کر انسان پر سکر کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ قیمت مع محصول عہ

نوٹ:۔ دونون کتابین ایک ساتھ طلب کرنے پر مع محصول ڈیڑھ روپے مین مل سکتی ہین۔

مینیجر نگار لکھنؤ

عشق کی گولیان

یہ مضمون مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی کی ایک خاص جدت کا نتیجہ ہے۔ انھون نے اس کو ناتمام لکھ کر مختلف رسائل مین نقلین روانہ کین تاکہ ملک کے دوسرے مزاحیہ نگار اس کو اپنے اپنے نقطۂ نظر سے مکمل کرین۔ چنانچہ اس سلسلے مین جناب شوکت تھانوی کو بھی دعوت دی گئی اور نگار مین انھین کا پورا کیا ہوا مضمون شائع ہو رہا ہے۔ نیرنگ خیال، عالمگیر، ساقی، اور ہمایون کو بھی اس کی نقلین روانہ کی گئی تھین اور غالباً وہان بھی یہی مضمون دیگر حضرات کے قلم سے مکمل ہو کر شائع ہوگا۔ سب سے آخر مین خود مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بھی اسے اپنے خیال کے مطابق مکمل فرما دین گے۔ یقیناً یہ طریقہ مختلف حضرات کے ذوق کے امتحان کا بہت دلچسپ ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے بعد جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کسی شخص ثالث کو اس فیصلے کا بھی اختیار دین گے کہ وہ ان تمام مضامین پر تنقید کر کے سب سے بہتر پیوند لگانے کو منتخب کرے۔

نیاز

از مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی

ناصر کو مین کیا اس کے سارے دوست بے وقوف سمجھتے تھے۔ اور کیون نہ سمجھتے جس بھلے آدمی کا سر کھوپرے کی بٹیا ہو اس مین عقل ہی کہان سے آنے لگی اور آئے گی بھی تو کتنی آئے گی۔ بیچارہ چار دفعہ انٹرنس کے امتحان مین بیٹھا اور سب مضمونون مین فیل ہوا۔ اللہ نے مان باپ کو روپیہ دیا تھا۔ جھٹ اٹھا ولایت بھیج دیا۔ ہماری تو سمجھ مین نہین آتا کہ ولایت کی کچھ آب و ہوا ہی نئی ہے یا وہان والے طالبعلمون کو کتابین گھول کر پلا دیتے ہین کہ یہان سے ان پڑھ جاؤ اور تین چار ہی برس مین بی۔ اے، ایم۔ اے۔ ایل ایل ڈی ہو کر آجاؤ۔ یہان ناصر کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یا تو کسی طرح انٹرنس مین پاس ہی نہوتے تھے یا ولایت جاتے ہی زنازن امتحانون مین پاس ہونے لگے۔ اور تین ہی برس مین بی اے ہو کر ڈاکٹری کی جماعت مین شریک ہوگئے۔ بڑی نوابی سے وہان پانچ برس گذارے امتحان مین بیٹھے پاس ہوے اور سند مل گئی کہ آج سے اس شخص کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے زہر دیکر مار ڈالے جس پر چاہے چھری چلا دے۔ جس کو چاہے عدم آباد پہنچا دے۔ کسی قانون کے رو سے اس کے مقابلہ مین ضرر شدید زہر خورانی۔ یا قتل عمد کا مقدمہ قائم نہ ہو سکے گا۔ خیر پڑھائی سے فارغ ہو کر گھر آئے اور بہت دھوم دھام سے آئے

ہان باپ کے دل باغ باغ ہوے قبرستان والون کے ہان عید ہوئی مریضون اور بیمارون کی موت آئی۔ میان ناصر نے اپنی دوکان پھیلائی اور ملک الموت نے ان کے نام سے اپنے دفتر مین ایک نیا کھاتہ کھول دیا۔

میرے بچپنے کے دوست اور گہرے دوست تھے مین بھی ملنے گیا۔ شکل وصورت مین توکچھ فرق نہین آیا تھا جیسے کالے پہلے تھے ویسے ہی اب بھی تھے۔ ہان صابن اور کریم کے رگڑون نے چہرے کو ذرا چمکا دیا تھا۔ مانگ سیدھی سے آڑی ہوگئی تھی۔ ترکی ٹوپی کی جگہ ہیٹ نے، شروانی کی کوٹ نے اور پیجامہ کی پتلون نے لے لی تھی، مونچھین منڈنے سے ذرا مردانہ شکل بھی نکل آئی تھی زبان مین تیزی آگئی تھی لیکن اختصار اور بھیجے کی کمی ان کی گفتگو کو بھیمنی سا کردیتی تھی۔ بات شروع کرتے بڑے لوگون کے مقولے بیان کرتے اور بہک کر کہین سے کہین نکل جاتے۔ ہان ان کی ایک بات مجھے بہت پسند آئی کہ جس طرح اکہرے گئے تھے اسی طرح اکہرے آئے ولایت مین اپنی یادگارین چھوڑی ہون تو چھوڑی ہون۔ لیکن اپنے ساتھ کوئی دم چھلہ لگاکر نہین لاے۔ خیر یہی غنیمت ہوا ورنہ ان سے تو یہ بھی بعید نہ تھا اور پھر آپ جانتے ہین کہ ولایتی بیگم صاحبہ اکثر ہم غریب ہندوستانیون کے ہان آتی ہین تو اینٹھتی ہوئی آتی ہین۔ رہتی ہین تو دوسرون کی ہوکر رہتی ہین اور جاتی ہین تو لانے والے صاحب کے سر پر اُلٹا اُسترا پھیر کر جاتی ہین۔

بھلا مین کیا اور میری بساط کیا۔ ڈیڑھ سو روپے کا سی آئی ڈی انسپکٹر۔ اس پر ایک بیوی اور دو بچے وہ ٹھہرے امیر ابن امیر اور ولایت کے تعلیم یافتہ لیکن خدا لگتی کہون گا کہ وہ بیچارہ جس طرح مجھ سے اور دوسرے دوستون سے پہلے ملتا تھا اسی طرح بعد مین ملتا رہا معلوم نہین کہ اس کا باعث اس کی خاندانی شرافت تھی یا یہ وجہ تھی کہ وہ ہم لوگون کے علاوہ دوسرون کے سامنے بیوقوف بننا نہین چاہتا تھا۔ بہرحال کچھ بھی ہو واقعہ یہ ہے اس نے اپنے دوستون کی تعداد مین اضافہ نہین کیا جب ملتا بہت محبت سے ملتا اور اس طرح ملتا کہ یہ بھی معلوم نہوتا کہ یہ شخص دوسرے ولائتیون کی طرح ہم غریبون کا دنیا مین رہنا بے ضرورت سمجھتا ہے۔ یہ سب کچھ تھا مگر مجھے ناصر کی ایک بات سے نفرت تھی، وہ ضرورت اور بے ضرورت ہر بات مین خواہ مخواہ دخل دینا۔ اور اپنی راے ایسے وثوق کے ساتھ بیان کرنا کہ گویا اب اس کی تردید افلاطون ہی کرے تو کرے اور اس کے ساتھ ہی ایسے عجیب وغریب واقعات بیان کرجانا کہ ان کو اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو "سفید جھوٹ" کہا جاسکتا ہے۔ اور جہان کہین ڈاکٹری کی بحث آجاتی تو پھر کچھ نہ پوچھو وہ وہ قصے شروع ہوجاتے کہ نہ آنکھون دیکھے اور نہ کانون سنے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ڈاکٹری ایک ایسا علم ہے جس کو عقل سے کوئی تعلق نہین اور ایک ایسا فن ہے جو ولایت گئے بغیر حاصل ہی نہین ہوسکتا اگر اس مین یہ بات نہوتی تو واقعی اس کی صحبت بڑی اچھی صحبت ہوتی لیکن اس کی ان تعلیون سے ابکھنے لگتی اور جی چاہتا کہ بس اُٹھ بھاگو۔ سب یار دوستون کو اس سے بس یہی ایک شکایت تھی لیکن صاف صاف

کہہ دینے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ سب خاموش بیٹھے اس کی یہ اُلو پنے کی باتین سنا کرتے۔ بے لطف ہو کر اٹھتے اور گھر پر آکر اس کا مذاق اڑاتے۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اس نے سب دوستون کی دعوت کی مین بھی گیا۔ کھانے کے بعد پھر اُس نے وہی بے معنی باتون کا سلسلہ چھیڑا۔ کسی نے حکیم شریف خان کی معجون کی تعریف کر دی کہ اعضائے رئیسہ کے لیے اس سے بہتر دوا ملنی مشکل ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ ناصر تو بگڑ ہی گیا کہنے لگا کہ "اوہو حکیم بھی اب اس قابل ہو گئے کہ نسخہ ترتیب دے سکین۔ اور ہندوستان کی سڑیل دوائین بھی ایسی ہو گئین کہ اعضائے رئیسہ کو تقویت پہنچائین یارون تم کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک فن کو جانتے ہین اور خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑا دیتے ہو۔ ذرا ولایت جاؤ تب معلوم ہوگا کہ طب کا علم کیا ہے اور علاج کس طرح کرتے ہین۔ جب مین جرمنی گیا تھا تو ڈاکٹر اسٹریس مین سے بھی پڑھنا پڑا۔ انھون نے ایک ایسا عرق ایجاد کیا ہے ایک بوند روزانہ پلا دینے سے آٹھ دن مین انسان کی صورت ہی بدل جاتی ہے"

احسان بیچ مین بول اٹھا کہ "یار عشرت تم تو جیسے لٹر پٹر گئے تھے ویسے ہی آگئے، ایک آدھ بوند تم بھی پی آئے ہوتے"

ناصر نے کہا کہ "آخر مین کیون پیتا۔ مجھ مین ایسی کون سی کسر ہے جو خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے علاج کراتا" احمد سے بھلا کیا یہ چپکا رہا جاتا وہ بولے "مگر یار ڈاکٹر اسٹریس مین تو علاج نہین کرتے وہ تو معاشیات کے ڈاکٹر ہین"۔ اب ناصر کی بے حیائی دیکھیے کہ بجائے قائل ہونے کے الٹا احمد سے لپٹ گیا اور کہنے لگا کہ ماشاءاللہ آپ بھی چہکنے لگے ہم نے چھ مہینے تک ڈاکٹر اسٹریس مین سے جراحی سیکھی ہم تو ہوے جھوٹے اور آپ ہوے سچے، ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو ورنہ لوگ بے وقوف کہین گے۔ آج تو یہ کہا ہے کل شاید یہ کہو کہ ڈاکٹر مارگولیتھ کو بھی ڈاکٹری نہین آتی۔ میرے آنے سے کوئی دو مہینے پہلے کی بات ہے کہ ڈاکٹر مارگولیتھ نے ایسی گولیان ایجاد کی ہین کہ تم جیسا بے وقوف شخص بھی چالیس روز تک کھالے تو خاصہ بھلا آدمی ہو جائے۔ مجید نے ذرا مسکرا کر کہا کہ "ہان میان ناصر! یہ تو بتاؤ کہ تم نے بھی ان گولیون کا استعمال کیا ہے یا جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آئے، یار ہمین بھی تھوڑی سی منگا دو یا کم سے کم پتہ ہی بتا دو یہ وہی مارگولیتھ ہین نا جو آکسفورڈ مین پروفیسر ہین" ناصر نے کہا کہ "ہان یہ وہی ڈاکٹر ہین۔ جب تم کو پتہ معلوم ہے تو پھر مجھ کو بیچ مین ڈالنے کی کیا ضرورت ہے خود ہی کیون نہین منگا لیتے مگر یار یہ گولیان ہین بہت مہنگی"

یارون مین یہ نوک جھونک ہو رہی تھی۔ مین چپکا بیٹھا سن رہا تھا۔ خبر نہین کیون میان ناصر ایک دفعہ ہی میری طرف مڑ کر کہنے لگے "ارے بھئی تم نے دیکھا یہ لوگ سمجھتے ہین نہ بوجھتے خواہ مخواہ دخل در معقولات دینے لگتے ہین۔ ذرا تم ہی بتاؤ مین کچھ غلط کہہ رہا ہون" مین اس کی یہ بے تکی باتین سن سن کر پریشان ہو گیا تھا۔ مین نے کہا سنو! میان ناصر کل تک اگر تم ایسی باتین کرتے ایسی نئی نئی ایجادون کا ذکر کرتے تو مین تم کو یقیناً جھوٹا کہتا مگر کل سے میرے ہاتھ مین ایک ایسا مقدمہ آیا ہے کہ تم جو کچھ کہو سب صحیح ہے۔ جب ہندوستان والے "عشق کی گولیان" ایجاد کر سکتے ہین

تو ولایت والے جو کچھ نہ کر دکھائین وہ کم ہے" عشق کی گولیون کا نام سن کر سب ہکا بکا سے رہ گئے۔ میان ناصر بھی بہت کچھ سٹپٹائے آخر کچھ سنبھل کر بولے "ان گولیون سے عشق کا مرض زائل ہوتا ہے یا پیدا ہوتا ہے"۔ مین نے کہا "پیدا ہوتا ہے"۔ ناصر نے کہا ہرگز نہین وہ امرض کو زائل کرتی ہے پیدا نہین کر سکتی اور پھر عشق کوئی مرض بھی نہین ہے جو پیدا کیا جاسکے مین نے کہا کہ دیکھو میان ناصر تم نے اپنے اتنے چشم دید واقعات بیان کیے مین نے کسی کو غلط نہین کہا اور نہ یہ کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو پھر جب مین اپنا دیکھا ہوا واقعہ بیان کرتا ہون تو تم کو کوئی حق نہین ہے کہ اس کو غلط کہو یا مجھکو جھوٹا سمجھو تم نے جو کچھ کہا وہ صرف زبانی تھا اور میرے پاس تحریری ثبوت موجود ہے یہ کہہ کر مین نے اپنی جیب سے ایک پاکٹ بک نکالی، دو چار صفحے اِدھر اُدھر الٹے پلٹے اور کہا دیکھو ان گولیون کا پورا حال۔ ان کا اثر اور ان کا تجربہ سب کچھ اس مین لکھا ہے اور ایسے شخص نے لکھا ہے جس نے خود ان گولیون کو کھایا ہے اور اس وقت شہر کے بڑے اسپتال مین موجود ہے اس کے بعد مین بھی دیکھون کہ وہ کون ہمت والا ہے جو مجھ کو جھوٹا کہہ سکے میرا یہ کہنا تھا کہ سارے کے سارے دوست کچھ دم بخود ہو گئے تھوڑی دیر تک تو سناٹا رہا اس کے بعد ہی سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے کہ بھئی وہ قصہ بیان کرو۔ مین نے بہت کچھ ٹالا مگر یہ شیطانی لشکر کب ماننے والا تھا آخر مین نے کہا کہ دیکھو یارو مین واقعہ تو بیان کرتا ہون لیکن ایک شرط ہے تم کو معلوم ہے کہ مین سی آئی ڈی ہون یہ کارروائی بھی راز کی ہے۔ پہلے یہ اقرار کر لو کہ اس کا ایک حرف بھی ہم لوگون کے باہر نہین جائے گا اور اگر باہر گیا تو پھر ہماری تمھاری دوستی القط۔ خیر بہت کچھ اقرار مدار ہوے، قسما قسمی ہوئی اور مین نے قصہ یون بیان کرنا شروع کیا۔

ہان تو ہوا یہ کہ پرسون شام کے کوئی ساڑھے چار بجے مین کلب جانے کے لیے کپڑے بدل رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ جا کر سنا تو صاحب تھے کہنے لگے دیکھو ابھی ٹھنڈی سڑک پر جاؤ ایک واقعہ ہو گیا ہے اور امن عامہ مین خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ کل صبح تک مجھے پوری رپورٹ دی جائے۔ جی تو بڑا جلا کہ آج ٹینس گیا۔ مگر کیا کیا جاتا۔ نوکری ہی تو بھائی بندی ہے۔ اسی وقت الٹے سیدھے کپڑے پہن ٹھنڈی سڑک پہنچا کیا دیکھتا ہون کہ لوگون کا ہجوم ہے۔ پھاڑ چیر کر اندر گیا۔ وہان کی جو کیفیت دیکھی تو آنکھین پھٹی کی پھٹی رہ گئین۔ بیچ سڑک پر نواب عاشق حسین خان پڑے ہین ایک ہاتھ مین ڈپٹی معشوق علی خان کی لڑکی محبوب بیگم کی ساری کا کونہ ہے اور برابر اونچی آواز مین کہے جا رہے ہین "مین عاشق ہون مین عاشق ہون مین یار تمھارا عاشق ہون" محبوب بیگم کو تو تم نے بھی دیکھا ہو گا کوئی ۱۷، ۱۸ برس کی لڑکی ہے اسی سال ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ باوجود ماں باپ کے منع کرنے کے پردہ اٹھا دیا ہے روز ٹھنڈی سڑک پر میمون کی طرح اینٹھتی پھرتی ہے۔ مگر یارو ان اس وقت جو اس کی حالت تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ چہرے پر ہوائیان اڑ رہی تھین، ہونٹ خشک سے تھے آنکھین ڈبڈبائی ہوئی تھین، ہاتھ پاؤن کانپ رہے تھے بے چاری ساری کا پلو چھڑانے کی کوشش کرتی تھی، لیکن میان عاشق حسین کچھ ایسے بھوت بن کر چمٹے تھے کہ کسی طرح

نہ چھوڑتے تھے۔ مجھے دیکھ کر ذرا اس غریب لڑکی کی جان مین جان آئی۔ مین نے جاتے ہی پہلے تو یہ کیا کہ جھٹکا دے کر اس بیچاری کا پلو چھڑا دیا۔ ارے بھائی پلو کا چھوٹنا تھا کہ نواب نے تو ہائے مار ڈالا کا اس زور سے نعرہ مارا کہ مین بھی پریشان ہو گیا، اب جو دیکھتا ہون تو نواب بے ہوش پڑا ہے۔ اتنی دیر مین میان احسان تمھارے چھوٹے ماموں کی موٹر ادھر سے نکلی۔ مین نے موٹر مین نواب کو ڈالا اور شوفر سے کہا کہ ابھی اسپتال لیجا۔ مین بھی آتا ہون۔ اسکے بعد تماشائیون کو ڈانٹا کہ بھائیون تمھین شرم نہین آتی کہ ایک غریب لڑکی کا مذاق اڑا رہے ہو، جاؤ راستہ لو۔ خیر میرے اس کہنے سے وہ لوگ تو چلے گئے۔ اب مین اور محبوب بیگم وہان رہ گئے مین نے پوچھا کہ محبوب آخر یہ کیا معاملہ ہے تم کو اتنا بھی خیال نہین ہوا کہ کورٹ شپ بھی کیا تو بیچ سڑک مین۔ تمھارے باپ اور تمھارے خاندان والون کو لوگ کیا کہین گے۔ ایسا ولایتی پن تو شاید یورپ مین بھی نہین ہوتا۔ میرے اس طرح کہنے سے اس بیچاری کے آنسو نکل آئے کہنے لگی۔ بھائی پہلے آپ قصہ تو سن لین اس کے بعد جو جی چاہے آپ مجھے کہین۔ میرا اس مین کیا قصور ہے آپ جانتے ہین کہ مین شام کو چار بجے ٹہلنے نکلا کرتی ہون کوئی آٹھ دس دن سے یہ ہونے لگا کہ مین ٹھنڈی سڑک کے پاس پہنچی اور نواب عاشق حسین خان آموجود ہوے۔ مین سڑک کے ایک کنارے پر چلتی اور وہ دوسرے پر مگر آج تک انھون نے مجھ سے ایک بات بھی نہین کی۔ بس ان کا اتنا ہی کام تھا کہ ساری ٹھنڈی سڑک وہ میرے ساتھ ساتھ طے کرتے آپ خود جانتے ہین کہ یہ میرے والد صاحب قبلہ کے دوست ہین مین ان کو بچپن سے جانتی ہون۔ پھر مجھے ان کے اس طرز عمل سے گھبرانے کی کیا وجہ تھی، لیکن مین دیکھتی تھی کہ ان کی حالت دن بدن ابتر ہو رہی ہے۔ چلنے مین پاؤن تھرتھراتے ہین۔ آنکھون مین حلقے پڑ گئے ہین۔ خیر ہوتے ہوتے آج یہ ہوا کہ چلتے چلتے ان کو چکر آگیا اور لڑکھڑا کر گر پڑے مین ان کی مدد کو دوڑی پاس بیٹھ کر رومال سے ہوا دینی شروع کی۔ انھون نے آنکھین کھولین۔ مین نے ان کی خیریت پوچھی بجائے اسکے کہ وہ میرا شکریہ ادا کرتے یا مزاج کی کیفیت بیان کرتے انھون نے میرا پلو پکڑ لیا اور جب نہین کیا واہی تباہی بکنے لگے۔ تھوڑی دیر مین لوگون کا ٹھٹھ لگ گیا معلوم نہین کہ آپ کو کیسے خبر ہوئی اگر آپ نہ آجاتے تو خدا معلوم میری کیا نوبت ہوتی۔ آخر عورت ذات تھی کہان تک آپ کو سنبھالتی زار و قطار رونے لگی۔ مینے بہت کچھ تسلی دی کرایے کی موٹر منگائی۔ محبوب کو اس کے گھر پہنچایا اور خود اسپتال پہنچا۔

یہان پہنچ کر کیا دیکھتا ہون کہ نواب عاشق حسین خان صاحب پلنگ پر لیٹے ہائے ہائے کر رہے ہین۔ مین نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا یہ کیا معاملہ ہے، انھون نے کہا کہ ان کو مرض تو کچھ نہین ہان عام کمزوری General debility ہے اور بہت ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے مل کر مین نواب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ حضرت یہ بیٹھے بٹھائے آپنے کیا آفت بپا کی ہے بھلا اپنے کو دیکھو اور اس لونڈیا کو دیکھو۔ ہم بھی تو سنین کہ آخر یہ کیا بات۔ نواب نے ایک بڑا لمبا ٹھنڈا سانس لیا اور کہا کہ کیا بتاؤن مین عاشق ہون مین یار تمھارا عاشق ہون۔ جب مین بہت سر ہوا تو انھون نے یہ پاکٹ بک

مجھے دی اور کہا کہ اس مین میرے عشق کی ساری داستان درج ہے اب جاؤ میرا دل گھبرا رہا ہے یہ کہہ انھون نے پھر وہی اپنی جپنی شروع کی کہ "مین عاشق ہون مین عاشق ہون مین یار تمھارا عاشق ہون"

گھر آتے آتے رات ہو گئی تھی اس لیے کھانا وانا کھا مین اس پاکٹ بک کو لے کر بیٹھا۔ اب بجاے اس کے کہ مین خود اس قصے کو بیان کرون اس کے اندراج پڑھ دیتا ہون "عنوان ملاحظہ ہو۔

عاشق حسین خان کے عشق کی داستان

یون تو اللہ کا دیا سب کچھ یہان موجود ہے لیکن وہ چیز جس کے لیے انسان پیدا ہوا ہے۔ یعنی عشق اس سے مین اب تک نا آشنا رہا۔ عشق مجازی کی بھی کوشش کی لیکن تھوڑے ہی دنون مین طبیعت اُکتا گئی عشق حقیقی کیلیے بھی بہت کچھ نمازین پڑھین وظیفے گھونٹے مگر کورے کا کورا رہا۔ آخر پریشان ہو کر اس کو بھی چھوڑ دیا۔ اس وقت میری عمر پچاس سے کچھ اوپر اور ساٹھ سے کچھ کم ہے رہ رہ کر خیال آتا کہ میان عاشق حسین جیسا تمھارا نامۂ اعمال سیاہ ہے وہ تو تم بھی جانتے ہو۔ عبادت مین دل نہین لگتا کم سے کم کسی نہ کسی طرح عشق مجازی ہی کی تکمیل کرلو کیونکہ یہی عشق حقیقی کا زینہ ہے مگر کیا کیا جائے ہزار کوشش کرتا کسی صورت سے عشق مجازی کی طرف بھی طبیعت راغب نہین ہوتی تھی۔ اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے آخر یہ مشکل بھی آسان ہو گئی رسالہ ندرت کے خاص نمبر مین حکیم مشکل کشا کا اشتہار دیکھا انھون نے منطقی دلائل سے یہ ثابت کرکے کہ عشق ایسی چیز نہین ہے جو خود بخود پیدا ہو اپنی گولیون کا اشتہار دیا تھا اور دعویٰ کیا تھا کہ اگر ان گولیون کے کھانے سے پریشان سے پریشان خیال آدمی بھی عاشق نہ ہوجاے تو وہ ہر طرح کا ہرجانہ بھرنے کو تیار ہین۔ اشتہار کی تحریر ایسی معقول کہ اس کی صداقت پر کسی طرح شبہ ہی نہین ہو سکتا تھا اشتہار کی نقل کیے دیتا ہون تاکہ آپ بھی ملاحظہ فرمالین کہ میری راے صحیح ہے یا غلط۔

عشق کی گولیان

حکما، کا قول ہے کہ عشق بھی ایک مرض ہے

از شوکت تھانوی ———— جو

عام امراض کی طرح بغیر مادے کے پیدا نہین ہوتا اور بغیر اخراج مادہ کے دفع نہین ہوتا انسان مین فطرتاً عشق کا مادہ موجود ہے جس کا ہیجان مین آجانا معمولی انسان کو قیس اور فرہاد کا درجہ دے دیتا ہے ورنہ انسان اپنے مقصد زندگی سے بے خبر رہ کر جس طرح دنیا مین آتا ہے اسی طرح دنیا سے چلا جاتا ہے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر عشق کا مادہ ہیجان مین نہ آئے تو انسان کو اندر ہی اندر

نہین معلوم کن کن امراض مین مبتلا کر دیتا ہے، ان ہی تمام باتون کو پیش نظر رکھ کر سالہا سال کی تحقیق اور تفتیش کے بعد رفاہ عام کے لیے ہم نے ایسی گولیان ایجاد کی ہین جن کے استعمال سے پتھر کی طرح بے حس انسان بھی عاشق بن سکتا ہے اور عشق کا منجمد سے منجمد مادہ بھی ہیجان مین آسکتا ہے، ان گولیون کے متعلق صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ ان کے اجزا مین سے ایک جز اتفاق سے قیس نے کھا لیا تھا جو مجنون بن گیا۔ اور ایک فرہاد نے کھایا تھا جو کوہ کن کے نام سے زندہ جاوید ہے آج ہی آرڈر دیجیے ورنہ تازہ گولیان بننے تک انتظار کی زحمت برداشت کرنا پڑے گی۔ قیمت فی پیکیٹ جس مین مکمل خوراک دس گولیان ہون گی اور پرچہ ترکیب استعمال بھی ہمراہ ہوگا۔ للعہ محصول بذمہ خریدار فائدہ نہ ہو تو قیمت کے ہمراہ پچاس روپے بطور جرمانہ واپس ذیل کے پتے پر آرڈر دیجیے۔

حکیم مشکل کشا خان۔ عمدۃ الحکما ر مالک مشکل کشا میڈیکل ہال زرد خانہ اسٹریٹ، لاہور

اس اشتہار کو دیکھ کر میرے دل نے گواہی دی کہ یہ اشتہار منجانب اللہ صرف میرے لیے دیا گیا ہے۔ اور حکیم مشکل کشا خان کو خداوند کریم نے صرف میری مشکل کشائی کیلیے پیدا کیا ہے مین نے بارہا راشتہار کا مضمون پڑھا اور ہر مرتبہ میرے دل پر اس کی صداقت کا اثر قائم ہوتا گیا یہان تک کہ مین نے ایک کارڈ اٹھا کر لکھ ہی دیا:۔

مکرمی جناب حکیم صاحب۔ تسلیم۔ آپ کا اشتہار رسالہ ندرت مین نظر سے گذرا براہ کرم اپنی عشق کی گولیون کا ایک پیکیٹ مندرجۂ ذیل پتے پر دی پی فرما دیجیے۔ شکر گذار ہون گا۔

نیاز مند

عاشق حسین خان

عاشق منزل نمبر ۴۲۰ ۔ الفت نگر ۔ پریم گنج

خط لکھ چکنے اور سپرد ڈاک کرنے کے بعد ہی سے مجھ کو اپنے مین ایک ایسی تازگی اور چستی محسوس ہونے لگی گویا کسی بہت بڑے فرض سے سبکدوش ہو گیا ہون بلکہ بعض اوقات تو مین اپنے مین کچھ اس قسم کی گرمی محسوس کرتا تھا کہ گویا محض گولیون کا آرڈر دے دینے سے عشق پیدا ہو گیا ہے۔ سات آٹھ روز تک میرا یہی عالم رہا اور اس دوران مین اپنی کیفیت کا خود ہی اندازہ کرنے کے بعد مین اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ عشق تو خیر نہین عشق کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی معلوم نہین ظالم نے کونسا عمل پڑھ کر اشتہار لکھا تھا کہ اس کے الفاظ تک مین عشق کی گولیون کی تاثیر تھی بہر حال خدا خدا کر کے عین انتظار کے عالم مین ایک دن پوسٹ مین نے للعہ کا دی پی دیا، ہم تو خود ہی ہر وقت دی پی کے دام ازار بند مین باندھے پھرتے تھے فوراً قیمت ادا کر کے وی پی وصول کر لیا۔ اور نہایت اضطراب کے ساتھ پیکیٹ کھولا کہ ذرا گولیون کی صورت دیکھی

جو بالکل بکری کے بچون کی مینگنیون کے برابر تھین اور رنگ مین بھی ان ہی سے ملتی جلتی۔ لیکن یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ہر گولی کے اندر ایک دنیائے عشق آباد ہے اور ہر گولی کیوپڈ کے کمان کا تیر نہین بلکہ کیوپڈ کے ریوالور کا کارتوس ہے ہم نے دسون گولیون کو بغور دیکھنے کے بعد ترکیب استعمال کا پرچہ کھولا جو تھا تو ایک ہی ورق لیکن دونون طرف چھپا ہوا، ایکطرف تو تقریباً وہی مضمون تھا جو اشتہار کی صورت مین ہم دیکھ چکے تھے اور دوسری طرف ترکیب استعمال درج تھی جو من وعن درج ذیل ہے۔

اگر تم عاشق بننا چاہتے ہو تو آج ہی سے طے کر لو کہ تم عاشق ہو اور دل مین اس کا پورا یقین کر لو کہ تم کو عشق ہے اس کے بعد سہ پہر کو غروب آفتاب سے کچھ قبل غسل کر و آنکھون مین سرمہ لگاؤ، صاف کپڑے پہن کر عطر لگاؤ سر مین خوشبودار تیل ڈال کر تھوڑا سا پانی بھی ملا لو کنگھی سے بال سنوارو اور یہ طے کر کے کہ تم اپنے محبوب کے پاس جا رہے ہو بسم اللہ کہہ کر گھر سے نکلو لیکن گھر سے چلتے وقت ایک تولہ سرد پانی کے ہمراہ ایک گولی کھا لو اور پھر خوشبودار پان کھا کر کسی پر فضا مقام پر یہ طے کیے ہوے چلے جاؤ کہ وہان تم کو تمھارا محبوب ملے گا چنانچہ جس مرد یا عورت کو دیکھ کر تمھارے دل مین پسندیدگی کا جذبہ سب سے پہلے پیدا ہو اس کو تم اپنا محبوب سمجھنا اسی سے تم کو عشق ہو گا اور دس دن کے اندر ہی اندر عشق اپنے تمام مدارج طے کرے گا، لیکن دس دن تک تم کو چاہیے کہ اپنے محبوب کا تعاقب ضرور کرو اور اگر بہت زیادہ دشواریان ہون تو کم سے کم ایک مرتبہ دیکھ ضرور لو اگر ان ترکیبون پر عمل کر کے تم نے دس دن تک دس گولیان ایک گولی روزانہ کھائی تو تمھارے عاشق ہونے کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ ورنہ ہم ذمہ دار نہین۔

اگر اپنے محبوب کو مطیع بنانا چاہتے ہو تو اس عمل کو یاد کر لو " مین عاشق ہون مین عاشق ہون مین یار تمھارا عاشق ہون" اور جب تم اپنے عشق کے ہاتھون بالکل ہی بے قابو ہو جاؤ اور یہ سمجھ لو کہ اب بغیر وصل یار کے زندگی محال ہے تو اسی عمل کو اپنے محبوب کے سامنے اس طرح پڑھو کہ وہ اس کو بخوبی سن سکے بلکہ اگر بار بار سنے تو زیادہ اچھا ہے۔

مین نے ترکیب استعمال کو بار بار پڑھا تاکہ خوب اچھی طرح سمجھ جاؤن اور جب خوب سمجھ گیا تو اس کو عملی صورت مین لانے کے لیے اہتمام شروع کر دیے۔ غروب آفتاب مین تو ابھی بہت دیر تھی لیکن مین نے اس دیر کو غسل وغیرہ کے اہتمام مین کسی نہ کسی طرح کاٹ دیا اور آخر کار حسب ہدایت غروب آفتاب سے کچھ قبل نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر عطر سے معطر ہو کر اور کنگھی چوٹی سے فارغ ہو کر دل مین یہ طے کر کے کہ محبوب کے پاس جا رہے ہین۔ گھر سے اس طرح نکلا کہ

کوچۂ یار مین اس ٹھاٹھ سے جاتا ہون مین — شور ہر سمت اٹھا مار چلا مار چلا

مگر اتفاق سے واقع ہوا ہے چوراہے پر جہان سے چار سڑکین مختلف مقامات کو جاتی ہین ایک بوچڑ خانہ کو دوسری جیل کو تیسری دریا کے کنارے اور چوتھی سول لائنس کو ہم نے سوچا کہ اگر بوچڑ خانہ کی طرف گئے تو کسی قصائی زادی سے عشق ہونا لازمی ہے اور اگر جیل کی طرف گئے تو معشوق جرائم پیشہ ملے گا دریا کے کنارے زیادہ سے زیادہ دھوبی یا ملاح کے خاندان سے عشق کا رشتہ جوڑنا پڑے گا لہذا سب سے بہتر یہی ہے کہ ٹھنڈی سڑک سے ہوتے ہوے سول لائینس کی طرف جائین۔ بہت ممکن ہے کہ قسمت مین کوئی مغربی بت طناز لکھا ہو لہذا بسم اللہ کہہ کر اسی طرف کو چل کھڑے ہوے راستے مین قدم قدم پر راہ گیر ملتے تھے اور ہم ہر ایک کو اس لیے دیکھ لیتے تھے کہ ممکن ہے ان ہی مین کوئی ہمارا مطلوب ہو لیکن دل مین پسندیدگی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا آخر چلتے چلتے جب ہم ٹھنڈی سڑک سے سول لائنیس کیطرف مڑنے ہی والے تھے کہ دور سے آسمانی رنگ کی ریشمی ساری ہوا مین لہراتی ہوئی نظر آئی اور اس ساری مین لپٹی ہوئی خاتون ہماری ہی طرف آتی ہوئی دکھائی دی مین سمجھا کہ شاید کنوان خود پیاسے کے پاس آرہا ہے ایک دم سے چلتے چلتے ٹھہر گیا وہ خاتون ایک خوبصورت کشتی کی طرح اپنے بادبان اڑاتی ہوئی مجھ سے قریب تر ہوتی گئی یہان تک اب مین نے اسکی صورت کو دیکھ کر یہ غور کرنا شروع کیا کہ مین نے اس کو کہین دیکھا ضرور ہے۔ صورت پہچانی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی لیکن دماغ پر لاکھ لاکھ زور دینے کے بعد بھی مجکو یاد نہ آیا کہ مین نے اس کو کہان دیکھا ہے یہان تک کہ وہ میرے نزدیک سے گذری اور مجکو سلام بھی کیا سلام کا جواب تو خیر مین نے غیر ارادی طور پر دے دیا لیکن اب مجکو اور بھی یقین ہو گیا کہ یہ صورت دیکھی بھالی ہے۔ میرا دماغ اسی غور و فکر مین تھا۔ نظرین اسی پر جمی ہوئی تھین اور دل اسی طرف کھنچا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مین اس کے ایک ایک انداز کو اس طرح دیکھ رہا تھا گویا وہ کوئی ایسی چیز ہے جس کو اب تک مین نے نہین دیکھا اس کی چال مین کافی بانکپن تھا کبھی وہ کبھی مجھ کو ایک مست طاؤس نظر آتی تھی اور کبھی حسین ہرنی وہ اپنی ساری کو ہوا کی تیزی سے اڑنے نہ دینے کی کوشش مین کبھی تو کامیاب ہو جاتی اور کبھی ناکام ہو کر عجیب منظر پیش کرتی تھی۔ ہرن کھری کا سفید جوتا اس کے نازک جسم کو اس طرح اٹھائے ہوے تھا کہ وہ سڑک پر اس رنگین حباب کی طرح تیرتی نظر آتی تھی جو موجون کے زور مین بہا جا رہا ہو۔ مین تھوڑی دیر تک اس دلکش منظر کو دیکھتا رہا اور پھر غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے ہو لیا۔ تمام راستے مین اسی کو دیکھتا رہا لیکن جب وہ ایک کوٹھی کے احاطے مین تار پھاند کر داخل ہو گئی تو مجھ کو بھی یاد آیا کہ مین اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا اب وقت زیادہ آچکا تھا لہذا مین بھی گھر آگیا اور جب بستر پر لیٹا تو میرے دماغ مین سوائے اس سوال کے کوئی بات ہی نہ تھی کہ میرا محبوب کون تھا؟ دل نے کہا وہی خاتون لیکن مین نے کہا استغفر اللہ میرا اسکا کونسا جوڑ وہ ٹانگ برابر کی چھوکری اور مین پنشن لینے کے قریب لیکن اس کے علاوہ میرے دل و دماغ مین کسی کا خیال ہی نہ تھا۔ مین اسی غور و فکر مین بستر پر پڑا ہوا کروٹین بدل رہا تھا کہ طبیعت مالش کرنے لگی اور باوجود الائچی اور پان وغیرہ کھانے کے ایسی زبردست قے ہوئی

کر بیٹ کی ایک ایک آنت کھنچ کر رہ گئی مین سمجھا کر مکھی کھا گیا ہون لیکن یاد آیا کہ کھانا بھی تو نہین کھایا ہے - پھر سوچا کہ کالرا ہوا ہو گا مگر پیشاب کیا تو خوب کھل کر ہو گیا - پھر ہم کو خود بھی یاد آ گیا کہ لاحول ولاقوۃ نہ مکھی کھائی ہے نہ کالرا ہوا ہے یہ تو سب علامتین عشق کے مادے کے ہیجان مین آنے کی ہین گولیون کے تیر بہدف اور زود اثر ہونے پر اعتقاد سا ہو گیا اور ہم قے آجانے کے بعد والی خستگی سے نڈھال ہو کر سو گئے صبح کو طبیعت صاف تھی مگر گزری بدستور محسوس ہو رہی تھی جس کی وجہ ظاہر تھی کہ رات کو ایک تو کھانا نہین کھایا اس پر قے ہو گئی حالانکہ اس وقت بھی کھانا دیکھ کر متلی آرہی تھی لیکن زبردستی ایک آدھ لقمہ کھا کر آنے والی شام کے انتظار مین بیٹھ گئے اور آفتاب کی رفتار کا اندازہ کرتے رہے کبھی غسل کا پانی ٹب مین بھرتے تھے اور کبھی کپڑے نکال کر رکھتے تھے کبھی عطر کی شیشی اٹھا کر آئینے کے سامنے رکھ دیتے تھے اور کبھی تیل کی بوتل کے قریب تھوڑا سا پانی اسی طرح خدا خدا کر کے پہاڑ سا دن کاٹا اور شام کو اسی طرح گھر سے گولی کھا کر نکلے اور ٹھنڈی ہی سڑک پہنچے آج پھر وہ بیگم صاحبہ اسی انداز مین ملین ان کی غارت گری مین سوائے اسکے کوئی فرق نہ تھا کہ بجائے آسمانی کے کاسنی رنگ کی ساری مین تھین مین نے لاکھ لاکھ ان کی طرف سے نظرین ہٹانے کی کوشش کی لیکن جب سامنے سے گذرتے ہوئے انھون نے ادب سے تسلیم کی تو مجھ کو بھی آنکھین چار کر کے جواب دینا پڑا اور اس کے بعد مین پھر اسی غور و فکر مین محو ہو گیا کہ یہ ہین کون اور مین نے ان کو یا انھون نے مجھ کو کہان دیکھا ہے مگر کچھ سمجھ مین نہ آیا ہم اسی غور و فکر مین آج پھر ان ہی کے ساتھ ہو لیے - ع -

جس سے کچھ جان نہ پہچان بڑی مشکل ہی

اور کل کی طرح آج بھی سڑک کے ایک سرے پر وہ اور ایک سرے پر ہم چلتے رہے یہان تک کہ وہ تار پھاند کر کوٹھی کے احاطے مین داخل ہو گئین اور ہم غریب خانے پر واپس آ گئے - آج بھی بھوک نہ تھی بلکہ طبیعت مین گرانی محسوس ہو رہی تھی لیکن مین اس طرف سے بے فکر یہ طے کر رہا تھا کہ کیا واقعی یہی صاحبزادی میری محبوبہ ہین دل کو یقین آتا تھا لیکن واقعات یقین دلا رہے تھے آخر کار مین نے یہی کہا کہ اگر مشیت ایزدی یہی ہے تو کیا چارہ ؟ ظاہر ہے کہ عشق کا دیوتا اندھا ہے وہ کچھ نہین دیکھتا کہ کس کا دامن کس کے ہاتھ مین دے رہا ہے نہ اس کو سادابل کا خیال ہوتا ہے نہ دنیا کے کسی بل کا وہ تو بس آنکھ بند کر کے تیر چلا دیتا ہے اب اس کی بلا سے جس کے جا بہے لگے - آج پھر طبیعت مالش کرنے لگی اور بجائے ایک کے دو مرتبہ قے ہوئی - بلکہ تھوڑی دیر کے بعد دست بھی آیا لیکن مجھ کو کوئی تشویش نہ تھی بلکہ مین عشق کے مادے کے ہیجان مین آنے سے خوش تھا تیسرے دن بھی سب کچھ وہی ہوا جو پہلے اور دوسرے دن ہوا تھا فرق صرف اس قدر تھا کہ اول تو مین نے اس خاتون کو بجائے صاحبزادی کے براہ راست اپنی محبوبہ سمجھ کر دیکھا اور ان کے سلام کا جواب بھی مسکرا کر دیا - دوسرے مجھ کو قے بھی دو مرتبہ ہوئی اور پاخانے بھی دو مرتبہ گیا - اب میرا روز کا یہ معمول ہو گیا کہ شام کو گولی کھا کر ٹھنڈی ہی سڑک جانا وہان سے اپنی محبوبہ کے ہمراہ سڑک کو درمیان چھوڑ کر ان ہی کے متوازی چل کر انکو کوٹھی کی

احاطے کے تار دن تک پہنچانا وہاں سے گھر لوٹ کر آنا دو ایک مرتبہ قے کرنا دو ایک مرتبہ پاخانے جانا اور بے حد نڈھال ہو کر سو رہنا۔ لیکن روز بروز میں اپنے میں ایک کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ غذا تقریباً بالکل چھوٹ گئی تھی رنگ زرد ہو کر رہ گیا تھا ہاتھ پیروں میں ارتعاش پیدا ہو گیا تھا، دوست احباب مریض بتاتے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ عشق کا مادہ ہیجان پر ہے اور میں عاشق بن رہا ہوں اس لیے مجھ کو کوئی فکر نہ تھی۔ میری محبوبہ میرے دل و دماغ بلکہ تمام جسم میں سما چکی تھی۔ اور مجھ کو اب بغیر اس کے زندگی دشوار نظر آتی تھی۔ بارہا ارادہ کیا کہ اب اس کو مطیع کرنے والا عمل پڑھوں لیکن دل نے کہا اب ایسی بھی کیا جلدی ذرا مادے کو اور ہیجان میں آنے دو لیکن آٹھویں دن تو میرا برا حال تھا۔ اول تو کمزوری کی وجہ سے مجھ کو امید نہ تھی کہ کل پھر آ سکوں گا۔ دوسرے اب صبر کی تاب نہ تھی بمشکل تمام ضبط کیا اور طے کر لیا کہ کل عمل ضرور پڑھ کر اپنی قسمت کا فیصلہ کر لوں گا

میں نے عاشق حسین خان کے عشق کی داستان سنا کر کہا نویں دن جو کچھ ہوا وہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں، اب بتایئے کہ ان گولیوں کو کس طرح جھوٹا کہا جا سکتا ہے؟ سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر نقش حیرت بنے بیٹھے تھے قصے کے سچ ہونے کے لیے تحریری ثبوت موجود تھا اور گولیوں کے تیر بہدف ہونے کا ثبوت یہ قصہ تھا لیکن ناصر بھلا کب ماننے والے تھے تھوڑی دیر تک "انگشت حیرت در دہان" بنے رہے پھر ان کے بعد فرمایا! اگر کوئی گولی مل جائے تو مجھ کو دو تا کہ میں اس کے اجزائے ترکیبی کو علیحدہ علیحدہ کر کے مشتہر صاحب کو بڑے گھر کی سیر کرا دوں تاکہ پھر اس قسم کی دوائیں بنا کر بدمعاش کہیں کہ یہ لوگ ڈاکو ہیں ڈاکو۔

میں نے کہا اس میں بڑے گھر کی سیر کرانے کی کونسی بات ہے کیا صرف اس لیے کہ ایک ہندوستانی نے ایسی چیز تیار کر لی جو یورپ میں ہونا چاہیے تھی؟

ناصر نے قابلیت کے ساتھ ہم کو سبق پڑھانے کے انداز میں کہا "بھائی تم لوگ طب نہیں جانتے تم کو کیا بتاؤں تم سمجھ ہی نہیں سکتے اصل قصہ یہ ہے کہ ان گولیوں میں زہریلی چیزیں بھی ہیں جو عشق مجازی تو خیر مجازی ہے، انسان کو خدا سے بھی واصل کر سکتی ہیں"۔

احمد نے طالب علمانہ انداز سے کہا "لیکن زہر کا فعل یہ تو نہیں ہے کہ عشق پیدا کر دے اور اگر زہر سے عشق ہو گیا تو خواہ وہ زہر ہو یا کچھ بہرحال حکیم مشکل کشا خان کا مقصد پورا ہو گیا"۔

ناصر نے اس کو بے وقوف سمجھ کر جواب دیا "آپ ہیں صاحبزادے، عزیز من ان گولیوں میں دماغ کو ماؤف کرنے معدے کو خراب کرنے جگر کو تباہ کرنے اور دل کو کمزور کرنے کے ایسے ایسے زہر ہیں جو اچھے خاصے آدمی کو جان سے مار کر چھوڑیں۔ غریب عاشق حسین خان کا دماغ اس حد تک بیکار کیا کہ وہ اپنے دوست کی لڑکی کو بھی نہ پہچانا افسوس یہ حکیم مشکل کشا خان نے طبابت اگی ہے یا موت کے فرشتے کے فرائض انجام دیے ہیں"۔

احسان کی شامت آئی" تو ان زہروں سے دماغ کے خراب ہونے کے بعد سہی مگر عشق ہی کیوں ہوا، اور کچھ ہو جاتا"۔

ناصر نے "اونہہ" کہہ کر اس کی طرف سے رخ بدل لیا اور مجھ سے کہا "حضرت آپ مجھ کو وہ گولی دیجیے ضرور پھر دیکھیے تماشا، حرام زادے، بے ایمان، دغا باز، مکار، ۔۔۔"

اب گویا مجھ کو اس مقدمے کی تفتیش بھی کرنا تھی اور عشق کی گولی بھی حاصل کر کے ناصر کو پہنچانا تھی لیکن ناصر کے یہاں سے اُٹھ کر جب شیطانی لشکر کچھ دور نکل گیا تو سب نے ایک زبردست قہقہہ لگایا کہ خوب گدھا بنایا گر ٹلے یہی پایا کہ کل ایک بکری کی مینگنی ان لقمان وقت کو دی جائے گی دیکھیے اس میں کون کون سے زہر نکالتے ہیں اور کیا قابلیت بگھارتے ہیں۔

کاجل۔ سُرمہ۔ چُورن۔ منجن

ایڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کر کے اپنی رائے انکے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہے دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو۔ "سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لیے بہت مفید ہوا۔ ایک شیشی اور بھیج دیجیے"۔

(سید رضا۔ نر پرسو پنتھہ (یوت محل)

کاجل آشوب۔ سرخی، ضعف بصارت کے لیے از بس مفید ہے ایک ڈبیہ جو ایک شخص کے لیے سال بھر کو کافی ہے۔ قیمت ۸/

سُرمہ یہ بیش بہا سرمہ ۴۰ دن میں تیار ہوتا ہے۔ اس میں نہ ممیرہ ہے نہ کوئی جواہر بلکہ معمولی سرمہ ہے جس کو جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیس کر طیار کیا جاتا ہے اس کے فوائد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جالا، دھندہ موتیا بند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بارہا آزمایا ہوا ہے قیمت فی ڈبیہ ۸/ علاوہ محصول

چُورن یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے، پیٹ کا درد، قبض، نفخ، ریاح کا پیدا ہونا سوئے ہضم دستوں کا آنا، سب یک لخت اسکے استعمال سے جاتا رہتا ہے کیسا ہی شدید درد پیٹ میں ہو ایک چٹکی کھا لینے سے جاتا رہتا ہے قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ (۸/) علاوہ محصول **منجن** اسکی ادنی خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ (۸/) علاوہ محصول

نوٹ:۔ سب چیزیں منگوانے والوں کو محصول ڈاک معاف

م بیگم ذریعہ دفتر نگار لکھنؤ

تیسری صدی ہجری کا ملحد اعظم

ابن الراوندی

نام و نسب ابوالحسین احمد بن یحیی بن اسحق الراوندی کی ولادت ۲۰۵ھ اور ۲۱۵ھ ہجری کے درمیان واقع ہوئی، اس کی تاریخ وفات مین شدید اختلاف ہے، اغلب یہ ہے کہ ۲۹۰ھ اور ۳۰۱ھ کی درمیانی مدت مین انتقال کیا۔

ابن الراوندی فی الاصل مرو الروز کا باشندہ تھا لیکن مورخین اس کو قاسان کے ایک قریے کی طرف منسوب کرتے ہین۔ یہ قریہ اصفہان کے نواح مین فارس کے جنوب پر شط العرب کے شمال مین واقع ہے اس کی ابتدائی نشو و نما اور تعلیم و تربیت کے متعلق کچھ پتہ نہین چلتا۔ مشہور یہ ہے کہ عنفوان شباب مین ترک وطن کر کے بغداد چلا آیا۔ اس زمانے مین بغداد دار السلام اور مدینتہ العجائب کہلاتا تھا۔ جہان تمام عالم اسلامی کے نوادرات جمع تھے۔

ہم ابن الراوندی کی طفولیت اور اس کے ابتدائی نشو و نما سے قطعاً بیخبر ہین۔ اسلیے افسوس کے ساتھ اس کے اس حصۂ زندگی کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

الراوندی کے خاندان کے متعلق صرف اسقدر پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی الاصل ہے، اسکے باپ کا مذہب یہودیہ تھا جو بعد کو مسلمان ہوگیا۔ ابو الحسین الخیاط کی کتاب الانتصار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن الراوندی کا بھائی اور چچا معتزلی تھے

ابن الراوندی کے باپ یحیی ابن اسحق میں شورش واضطراب کا مادہ تھا جو ابن الراوندی کو وراثت میں ملا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی یہودی نے ابن الراوندی کے بارے میں ایک مسلمان سے کہا تھا کہ یہ تمھاری کتاب (قرآن) کو اسی طرح بگاڑے گا جس طرح اس کے باپ نے توریت کو خراب کیا تھا۔ اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ الراوندی کے باپ کا مسلمان ہو جانا بھی شاید اسی بنا پر تھا کہ وہ یہودیوں سے بہت الجھتا رہتا تھا اور جب آتش انتقام زیادہ بھڑکی تو مسلمان ہو گیا۔

ابن الراوندی کے معتزلہ ہونے کے قبل کے حالات کتابوں میں نظر نہیں آتے۔ لیکن وہ کب معتزلی ہوا اور کس طرح، کس شخص سے اصول اعتزال کا درس لیا، یہ دونوں باتیں بھی نہیں معلوم۔ ہمارے خیال میں ابن الراوندی نے عین عالم شباب میں مذہب اعتزال اختیار کیا اور یہ زمانہ ۱۸ سال سے ۲۵ سال تک ممتد ہو سکتا ہے۔

ابن الراوندی کو معتزلہ کے علم کلام میں مہارت تامہ حاصل ہو گئی تھی اور ان کے اصول کے مطابق اقتباس واختراع میں وہ یگانۂ روزگار تھا، چنانچہ عالم شباب ہی میں اپنے ہم عصر فضلاء سے سبقت لے گیا علم کلام میں قدرت اور علوم اعتزال میں وسعت نظر کا یہ عالم تھا کہ خود معتزلہ کا ایک جید فاضل ابوالقاسم البلخی الکعبی اپنی کتاب محاسن خراسان میں اس کی شہادت دیتا ہے۔

ابن الراوندی متکلمین میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے معاصرین میں علم کلام اور تحقیق وتدقیق کے باب میں کوئی شخص اس کا ہمسر نہ تھا، مشہور رہے کہ اُس کا علم اُس کی عقل سے زیادہ تھا۔

اس کے بعد بلخی لکھتا ہے۔ ابتداءً ابن الراوندی نیک سیرت، پسندیدہ مذہب رکھتا تھا لیکن بعد ازاں بعض اسباب پیش آجانے کے باعث اس نے یہ چولا بدل دیا۔

عبد الرحمن العباسی (معاهد التنصيص) میں تحریر کرتا ہے کہ ابن الراوندی متکلمین علمائے معتزلہ میں سے تھا، بعد ازاں ان کی جماعت سے علیحدہ ہو کر ملحد بن گیا۔

احمد بن یحیی المرتضی (المنية والامل) مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۶ ہجری میں لکھتے ہیں ابن الراوندی پہلے معتزلہ کے طبقے میں داخل تھا لیکن جب اس سے کچھ ناشائستہ حرکات سرزد ہوئیں اور اس نے دین داری ترک کر کے الحاد اور زندقہ کا اظہار کیا تو معتزلہ نے اس کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اسلام کی مخالفت میں بہت سی کتابیں لکھیں۔

ابوالحسین الخیاط نے الانتصار میں لکھا ہے کہ ابتداءً وہ معتزلہ کے فرقہ نظامیہ سے تعلق رکھتا تھا، لیکن آخر میں اس نے گڑبڑ شروع کر دی اور حق کو چھوڑ دیا، اب معتزلہ نے اسکو اپنی جماعت سے نکال باہر کیا

متقدمین علماء کے مذکورۂ بالا بیانات سے ابن الراوندی کے حالات اور مذہب پر روشنی پڑتی ہے،

ابن الراوندی کے وسعت علم سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اس کو جامع العلوم یا دارۃ المعارف کہنا زیادہ موزون ہے کیونکہ اس کو ہر علم میں کافی دسترس حاصل تھی۔ گذشتہ بیانات سے یہ امر واضح ہوچکا ہے کہ ابن الراوندی کا علم نہایت وسیع تھا۔ چنانچہ خود ان لوگون نے بھی اس کا اقرار کیا ہے جو رائے اور عقائد مین اس کی مخالف ہین۔ ابوالحسین الخیاط کی تصنیف کتاب الانتصار پڑھنے کے بعد جو انھون نے ابن الراوندی کی کتاب فضیحۃ المعتزلہ کے جواب مین لکھی ہے، اس کی وسعت علم و ذکا کا پتہ چلتا ہے فضیحۃ المعتزلہ مین ابن الراوندی نے روافض کی حمایت کرتے ہوئے معتزلہ کی تردید کی ہے۔ ہمارے پاس ابن الراوندی کی کوئی ایک تصنیف بھی موجود نہین۔ حسالانکہ بقول ابن خلکان اس کی تصنیفات کی تعداد ۱۱۴ تک پہنچتی ہے اس کے بعض اقوال سے جو رد کی غرض سے الانتصار مین نقل کیے گئے ہین اسکی جودت اطلاع، قوت معارضہ، اور خوبی استدلال پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

گو ابن الراوندی جوانی ہی مین ملحد اور دہریہ ہو گیا تھا۔ لیکن قرآن کے اعجاز اور اس کی ساحرانہ تاثیر بہت سے مسلمانون سے زیادہ سمجھتا تھا۔ معتزلی عقائد ترک کر دینے کے بعد ابن الراوندی معتزلہ کا دشمن ہو گیا تھا اور چونکہ یہ مذہب اعتزال کے نظریون اور اصول سے خوب آگاہ تھا۔ نیز علوم کلامیہ کو خود معتزلہ سے بھی زیادہ جانتا تھا اس لیے خوب خوب مقابلے رہے۔ بلخی کہتا ہے کہ اس کے معاصرین مین سے کوئی بھی علم کلام مین اس سے زیادہ دسترس نہ رکھتا تھا نہ کسی کو دقائق علم کلام کی اس قدر معرفت حاصل ہو سکتی تھی، ابن خلکان مین لکھا ہے۔ علم کلام مین اس نے ایک مقالہ لکھا ہے۔ یہ اپنے عصر کے فضلاء مین شمار کیا جاتا تھا۔ متکلمین کے ساتھ اس نے بہت سے مناظرے کیے ہین۔ اس کے انوکھے خیالات کو متکلمین نے اپنی کتابون مین نقل کیا ہے۔

ابن الندیم نے "الفہرست" مین یہ قصہ لکھا ہے۔ ابوالحسن الراوندی بیان کرتا تھا کہ مین ایک بوڑھے کے پاس سے گذرا، یہ شخص ہاتھ مین مصحف لیے بیٹھا تھا اور پڑھ رہا تھا وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مین نے کہا آسمان و زمین کے بنانے سے کیا مدعا ہے، کہنے لگا یہی بارش مراد ہے، مین نے کہا آپ ہی جیسے حضرات کے ہاتھون مذہب تباہ ہوتا ہے، بندۂ خدا یہ میراث السموات ہے، بوڑھا کہنے لگا خدایا مجھے معاف کر، مین تو چالیس سال سے یہی پڑھا کرتا تھا۔ اور یہی میرے مصحف مین لکھا ہوا ہے۔

ایک طرف تو یہ دہریہ ایک مومن کی قرأت کی تصحیح کر رہا تھا۔ اور دوسری طرف قرآن مجید کی مخالفت اور انبیاء و کتب سابقہ کی تردید مین کتاب لکھ رہا تھا۔ معاہد التنصیص مین لکھا ہے ___ ابن الراوندی اور ابوعلی الجبائی ایک دن بغداد کے پل پر آئے ابن الراوندی نے کہا ___: ابوعلی تم نے کچھ سنا ہے مین نے قرآن کے مقابلہ اور اس کی

تردید مین کیا کچھ لکھا ہے! ابو علی نے کہا مین تمہارے اور تمہارے ہم عقیدہ دہریون کے شرمناک علوم سے آگاہ ہون لیکن مین خود تم ہی سے انصاف کی درخواست کرتا ہون کیا تمہارے جواب مین شیرینی، خوشگواری اور ہمواری موجود ہے، کیا اس کی ترتیب قرآن کے مثل ہے اور کیا تم کہہ سکتے ہو کہ وہ کلام اللہ کی طرح شیرین ہے"۔ ابن الراوندی نے کہا بخدا ایسا نہین ہے۔

ابو علی:۔ بس فیصلہ ہو گیا، اب جو جی چاہے کرو۔

ابن الراوندی ان تمام علوم کا مخزن تھا جو اس کے زمانے مین مروج تھے وہ اس عہد کے فلسفے اور مذاہب سے کما حقہ آگاہ تھا۔ یہودیون کی جانب سے مسلمانون کے رد مین ایک کتاب لکھکر خود ہی اس کی تردید کرنی چاہی لیکن بعض وجوہ سے ارادہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اہل التوحید کے خلاف رافضیون کی طرف سے ۱۳۰ اشرفیون کے عوض ایک تصنیف کی لیکن خود ہی اہل توحید کی تعریف و توصیف مین دوسری کتاب لکھ کر اس پہلی تصنیف کی تردید کر دی، مذہب اعتزال مین اس کے مبلغ علم کا جو حال تھا، وہ کسی قدر ہم بیان کر چکے ہین لیکن اپنی تصنیفات مین اس نے اس عقیدے کی بھی خوب خوب دھجیان اڑائی ہین اور معتزلہ کے اسالیب حجت و براہین ہی سے ان کی تردید بھی کی ہے۔

اس نے تمام انبیاء کی تردید مین کتابین لکھین اور قرآن کے مقابلہ مین بھی ایک کتاب تصنیف کی، رافضیونکی طرف سے سنیون کے خلاف، اور سنیون کی طرف سے رافضیون کے خلاف تصنیفات کین، اور پھر معتزلہ کی طرف سے تمام مذاہب کی مخالفت مین قلم اٹھایا۔ وہ خود اپنی کتابون کے خلاف بھی لکھا کرتا تھا، چنانچہ جس مقصد کے ماتحت اُس نے کوئی کتاب لکھی فوراً ہی ان مطالب کی تردید بھی لوگون تک پہنچا دین۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مدعا تک نہایت سہولت سے پہنچ جاتا تھا اور اس لیے اس کو خود اپنی تردید بھی دشوار نہین معلوم دیتی تھی

ابو العباس الطبری لکھتا ہے" ابن الراوندی کسی مذہب پر نہ جما نہ کسی حال پر اسے قرار آیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے سامرا کے یہودیون سے ۴۰۰ روپیے لے کر ان کی جانب سے مسلمانون کی تردید مین البصیرہ لکھی لیکن مال پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کی تردید کا ارادہ کیا۔ جب انھون نے ۱۰۰ اور دیے تو اس ارادہ سے باز رہا (معاہد التنصیص)

اس کی جو کتاب شایع ہوئی دینی و فلسفی حلقون مین اس کا آوازہ جا پہنچا، ادھر وہ شایع ہوتی اور ادھر بعض مصنفین اس کی تردید مین قلم اٹھا لیتے اور بعض اس کے مدح سرا بن جاتے، وجہ یہ تھی کہ ابن الراوندی کی مذہبی زندگی عبارت تھی صرف اس سے کہ وہ مختلف ملتون اور فرقون کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ آج ایک مذہب کی تعریف مین رطب اللسان ہے تو کل اسی کی تحقیر کر رہا ہے۔ اس طور پر وہ مختلف مذہب کے پیروون کو باہم لڑا دیتا، وہ لوگ اپنی اس جنگ و جدل مین اُس کو فراموش کر دیتے۔ اور خود گتھ جاتے۔ کچھ عرصہ بھی نہ گزرنے پاتا کہ پچھلی تحریر کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آتا، جس کی ہجو کی تھی اس کی تعریف ہو رہی ہے، اور جس کی پہلے تعریف کی گئی تھی، وہ اب دنیا سے بدتر ہے، ان مذاہب کے پیرو

باہم لڑتے اور دونوں ابن الراوندی کے دلائل رجح سے اپنی تائید اور دوسرے کی تردید کرتے
فہرست ابن ندیم میں لکھا ہے ابن الراوندی کی ناپاک و ملعون تالیفات میں ایک
کتاب ہے جس میں قرآن مجید کی عبارت پر اعتراض کیے گئے ہیں ۔ خیاط ابو علی الجبائی سہل بن نوبخت اور خود ابن الراوندی
نے اس کی رد میں کتابیں لکھی ہیں ۔

ان واقعات سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ ابن الراوندی اپنے وقت کا یکتائے روزگار عالم تھا اور ملاحدہ
اور خوارج کا استاد اعظم کتنا زیبا ہے ۔

ایام شباب میں ابن الراوندی ملحدوں کے ساتھ ساتھ رہتا، جب اس پر خفگی کا اظہار کیا گیا تو اس نے کہا
میں ان کے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔ میرے نزدیک اس کا یہ جواب ایک عامی کو تو خاموش کر سکتا ہے ۔ کیونکہ
یہ اس مقولہ سے ملتا جلتا ہے کہ جادو سیکھو لو مگر اس پر عمل نہ کرنا لیکن ہر شخص مطمئن نہیں ہو سکتا، چنانچہ ابن الراوندی
کے میل جول اور اس قسم کے جوابات سے معتزلہ اور دین داروں کے دل میں شبہات پیدا ہونے لگے
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ہم خیال اور لوگ بھی تھے جو اکٹھے ہو کر اپنی افکار و معلومات پر
بحث کرتے تھے

. . . .
. . . .
. . . .
. . . .
. . . .
. . . .
. . . .

قدیم بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن الراوندی ۔ ابو عیسیٰ الورّاق اور ابو حفص الحداد وغیرہ
ملاحدہ کا شاگرد اور دوست تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے مشہور ملحد تھے ۔ معتزلہ اور اہل سنت کے خوف سے
اپنے کو رافضی ظاہر کرتے تھے ۔

ابن الخیاط نے الانتصار صفحہ (۹) میں لکھا ہے تیری ناکارہ اور بوچ کتاب کی تردید سر اسر دوسری ہے
جب ہم تیرے اساتذہ ابی حفص الحداد اور ابو عیسیٰ الوراق کی تردید کر چکے تو ان کے تبعین کی تردید کیا مشکل ہے ۔

ابن الراوندی نے ملحد ہو کر بیسیوں کتابیں لکھیں لیکن ابن خلکان کے بیان کے مطابق ۱۱۴ کتابوں میں سے
سوائے چند متفرق جملوں اور بیانات کے کچھ باقی نہیں ۔ اس نے روافض کے واسطے ایک کتاب
نفیحۃ المعتزلہ لکھی، جو ادیب کبیر جاحظ کی کتاب فضیلۃ المعتزلہ کا رد تھا۔ جاحظ بھی معتزلہ میں شمار کیا جاتا ہے ۔ اس نے

اپنی تصنیف کے ذریعے سے اپنے اعتزال کی دعوت دی تھی، ابن الراوندی کی اس کتاب کے متفرق اور پراگندہ ٹکڑے ابوالحسین الخیاط کی تصنیف الانتصار میں نقل کیے گئے ہیں جو فضیحۃ المعتزلہ کے رد میں لکھی گئی تھی۔

مضمون کے اختتام میں ہم اس کے کچھ ایسے اقوال نقل کرتے ہیں جن سے اس عجیب وغریب انسان کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ بلخی کا بیان ہے کہ ابن الراوندی کی ملعون و ناپاک تالیفات میں کتاب التاج ہے جس میں عالم کی قدامت کو ثابت کیا ہے اور دوسری کتاب الزمردہ ہے اس میں رسالت کا بطلان کیا ہے کتاب الفرند میں رسول اللہ صلعم پر اعتراض کئے گئے ہیں، اور کتاب اللولوہ میں تناہی حرکات سے بحث کی گئی۔

کتاب الزمردہ میں لکھتا ہے کہ میں نے اس کتاب کا نام زمردہ اس لیے رکھا ہے کہ جس طرح زمرد کو دیکھ کر سانپ اندھا ہو جاتا ہے اسی طرح میرے مخالفین بھی اس کتاب کو دیکھ کر اندھے ہو جائیں گے۔ اس کتاب میں شریعت مطہرہ کا ابطال ہے اور نبوت پر جرح قدح کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ اکثم بن صیفی (عہد جاہلیت کے مشہور حکیم) کے کلام میں انا اعطیناک سے بہتر کلام نظر آتا ہے۔ ... دوسری جگہ کہتا ہے عمار بن یاسر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تجھ کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ اس قسم کی باتیں تمام منجمین بتایا کرتے ہیں۔ وہ کہا کرتا تھا انبیا انسانوں کو یونہی شعبدوں سے دھوکے دیا کرتے ہیں۔"

کتاب الدامغ میں کہتا ہے۔ خدا کے پاس قتل وغارت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، جو ہمیشہ ایک کینہ پرور اور غضبناک دشمن کیا کرتا ہے، پھر کتاب اور رسول بھیجنے کی کیا حاجت تھی؟

کہتا ہے ۔۔۔ خدا کا زعم ہے کہ وہ عالم الغیب ہے چنانچہ قرآن میں کہتا ہے (وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا) یعنی خدا اس پتے کو بھی جانتا ہے جو درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے ۔۔۔ دوسری جگہ کہتا ہے (وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم) ۔ جنت کی تعریف میں کہتا ہے ۔۔۔ (فیہا انہار من لبن لم یتغیر طعمہ) حالانکہ دودھ کی اشتہا صرف بھوکے کو ہو سکتی ہے۔ شہد کا ذکر ہے زنجبیل کا ہے حالانکہ یہ کچھ لذیذ شربت نہیں ہیں۔ سندس بچھانے کے کام آتا ہے اس کو پہنتے نہیں ہیں یہی حال استبرق کا ہے یہ موٹا کپڑا ہوتا ہے۔ جنت میں رہ کر ایسے موٹے موٹے کپڑے پہننا اور دودھ اور سونٹھ کا شربت پینا گویا کہ دولہن اور نبطیوں کے مراسم عروسی ادا کر دینا ہے جن میں دولھا کو اسی قسم کا لباس پہنایا جاتا ہے اور یہی چیزیں پینے کو ملتی ہیں

یہ تو وہ شخص ہے جس نے اپنی کتاب التاج میں اجسام کے حدوث کو غلط قرار دیا ہے، اس کا خیال ہے کہ اثر موثر پر دلالت نہیں کرتا، دنیا اور جو کچھ یہاں نظر آتا ہے اور چاند، تارے وغیرہ قدیم ہیں، ان کا بنانے والا کوئی نہیں،

اس کی ایک تالیف التعدیل والتجویر ہے (صاحب الفہرست نے اس کا نام عبث الحکمۃ لکھا ہے)

اس مین وہ لکھتا ہے کہ جو اپنے غلامون کو بیمار ڈالے وہ نہ تو اپنے اس برتاؤ مین دانا اور حکیم کہا جاسکتا ہے اور نہ اس کا محافظ اور ان پر مہربان قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جو فقر و فاقہ مین مبتلا کرتا ہو جو ان کو اطاعت کا حکم دے جن کے متعلق وہ خوب جانتا ہے کہ مطیع نہین ہون گے اور پھر اپنے منکر ون اور نافرمانون کو ہمیشہ کیلیے آگ مین ڈال دے وہ بھی حکیم نہین کتاب الزمردہ مین انبیا کے معجزات کا ذکر کرکے اُن پر جرح قدح کی ہے۔ اور یہ کہ قرآن کسی حکیم کا کلام نہین اسکی ایک کتاب الامامتہ کے نام سے مشہور رہے۔ اس مین مہاجرین و انصار پر زبان طعن دراز کی ہے ابن الراوندی نے چند قطعہ بھی کہے ہین۔ ان سے اس کی عجیب و غریب سائکالوجی معلوم ہوتی ہے لکھتا ہے۔

دنیا کی مصیبتین اور تکالیف تو اس قدر زیادہ ہین کہ نہ کاٹے کٹتی ہین نہ بانٹے بٹتی ہین، خوشی اور راحت سب بتوعید کی طرح کبھی کبھی جھلک دکھا دیتی ہے، جلیل القدر بادشاہ جو دوسرون کو غلام بناتے ہین خود اپنے احمق نوکر ون کے غلام نظر آتے ہین۔

کہتا ہے

کیا یہ تعجب انگیز امر نہین ہے کہ ایک شخص جس کا بحث و مباحثہ سلیم اور گفتگو دقیق ہوتی ہے مرتے وقت صرف اس قدر جاننے پاتا ہے کہ اس نے کچھ نہین جانا۔

ابوالعلا نے رسالہ الغفران مین اس کے دو شعر نقل کیے ہین جس مین اس نے خدا کی شان مین زبان درازی کی ہے،

آخر مین ہم یہ ضرور کہین گے کہ اس وقت کی اسلامی حکومت کس قدر روادار تھی کہ ابن الراوندی جیسے گستاخ کو مذکورہ عقائد کی اشاعت کی اجازت تھی لوگ اس کی تردید کرتے تھے اور اس کے افکار کی دھجیان اڑاتے تھے لیکن فضا مین سکون رہتا تھا حق یہ ہے کہ مذہبات قدیمہ کی تاریخ ابن الراوندی سے زیادہ بے باک اور جری کیرکٹر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سلیم خیاط ترجمہ عرشی

فراست التحریر مکمل

یعنی اردو اور انگریزی رسم خط اور انداز تحریر دیکھ کر ایک شخص کی سیرت، چال چلن، مستقبل اور تمام حالات معلوم کرنیکا فن اردو مین بالکل پہلی کتاب، اردو حصہ علاوہ محصول ۸، انگریزی حصہ علاوہ محصول ۸، ہر دو حصے مع محصول عہ، منیجر نگار لکھنؤ

نیا شوالہ

(۱)

پدما ندی کے کنارے شیو جی کا ایک خوبصورت مندر تھا، پیپل کا بڑا سایہ دار درخت مندر کے مذہبی وقار میں اور اضافہ کر رہا تھا، تلسی کا مقدس پودہ ایک بلند مقام پر اُگا تھا، گیندا اور رجنی گندھا کے پھول مندر کے احاطے میں کھلے ہوئے تھے، ایک بلند بانس پر جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر ہنومان جی کی تصویر تھی۔ گھنٹے اور ناقوس کی آواز دور سے مندر کا پتہ دیتی تھی، پدما ندی مندر کے چرن میں عقیدت مندانہ شان سے بہ رہی تھی، شیو جی کا مندر قرب و نواح کا مشہور مندر تھا، یہاں دور دور سے لوگ نذر عقیدت چڑھانے آتے تھے مندر کا نوجوان جوگی متوفی گرو کا بڑا چیلا تھا گرو جی اسے بہت عزیز رکھتے اور اس کی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ نوجوان جوگی بڑا گیانی تھا، وہ دن رات تپسیا کرتا رہتا، ہر کس و ناکس سے اس کا برتاؤ نہایت ہی محبت آمیز ہوتا تھا، رات کو پیپل کے نیچے کتھا ہوتی تھی، ویدوں کا درس دیا جاتا۔ مہا بھارت، راماین کی کہانی سنائی جاتی۔ گانوں کے لوگ کتھا سننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ صبح کو بھجن گائے جاتے تھے اور اس قسم کے مذہبی مشاغل سے مندر کی دنیا آباد رہتی تھی، گاؤں کے زن و مرد صبح کو پدما ندی میں اشنان کر کے مندر میں جل ڈالنے اور پھول چڑھانے آتے اور جوگی سے آشیرباد لے کر چلے جاتے تھے

(۲)

کامنی تڑکے اشنان اور پوجا کے لیے ندی کنارے آتی تھی، ہری دوب پر چلتے ہوئے وہ ہرنی معلوم ہوتی، اس کی ملاحت اور شگفتگی پر سحر کی تمام رعنائیاں قربان تھیں۔ مندر میں پوجا کرتے وقت تو وہ خود دیبی بنجاتی تھی اور اسے دیکھ کر ہر شخص اپنے دل میں جذبۂ ایمان و عقیدت کو قوی تر پاتا تھا۔ اس کا محو عبادت ہونا خود پرستش کی چیز تھی ——— نہ معلوم کیوں ایک ہفتے سے وہ پوجا کے لیے بہت زیادہ سویرے آنے لگی تھی۔ اس کی شوخ اداؤں میں تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ اس کی پیاری پیشانی پر شکن کی چند لہریں بھی دکھائی دیتی تھیں، کامنی کچھ

کھوئی کھوئی معلوم ہوتی تھی۔ مندر کے سایہ میں پہنچتے ہی اس پر وحشت برسنے لگتی جسے وہ بہت سنجیدگی سے چھپانیکی کوشش کرتی، پوجا کے وقت اس کی محویت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا اور کون جانتا ہے کہ اس وقت اس کی، دل ربا آنکھیں پرنم نہ ہو جاتی تھیں ــــ جب مندر کا جوگی اسے اشیرباد دینے آتا تو وہ اپنے چہرے پر سے سارے اثرات کو محو کرنے کی عاجلانہ کوشش کرتی ــــ مگر ناکام! اس کا چہرہ تمتما اٹھتا، نظریں نیچی ہو جاتیں اور وہ بالکل سمٹی سمٹائی نظر آتی تھی۔

دن گذرتے گئے اور کامنی کا معمول وہی رہا، وہ بہترین پھولوں کا تحفہ لاتی اس کے گوندھے ہوئے ہار اور منتشر پھول سارے چڑھاوں میں بہت زیادہ نمایاں ہوتے، وہ دل میں عقیدت، آنکھوں میں پیار، نگاہوں میں محبت لے کر مندر آتی، اور درد، مایوسی و مجبوری کی تصویر بن کر واپس جاتی۔ اس کی اس سوگوار کیفیت کو مندر کا جوگی بہت دنوں تک نظر انداز نہ کر سکا اور ایک دن کامنی سے ازراہ تلطف دریافت کیا ــــ "بچی تو اس قدر اداس کیوں رہتی ہے؟ پرماتما تیرا بھلا کرے"۔ کامنی اس کا کچھ جواب نہ دے سکی، پھوٹ پڑی اور بہت دیر تک روتی رہی غالباً یہ سب سے زیادہ قیمتی چڑھاوا تھا جو مندر میں چڑھایا گیا۔ جوگی نے اس کی بہت دلدہی کی لیکن اسکا ہر لفظ کامنی کو اور زیادہ گریاں کر دیتا۔ کچھ دیر کی تسلی و تشفی کے بعد جوگی یہ کہہ کر چلا گیا "جا بچی تجھے پرماتما سکھی رکھے!

اس کی آواز میں رقت تھی اور کامنی کا تو عجب حال تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود آنسو بنکر پگھل جائے گی۔ جب جذبات کا طوفان تھما اور آنسو کا سیل رکا تو سوگوار کامنی اپنے گھر چلی گئی، مگر کس حال میں!

(۳)

کامنی کے چلے جانے کے بعد جوگی مندر میں جا کر رات کی کتھا کے لیے پران کا پاٹھ کرنے لگا، مگر آج اس کے مطالعہ میں کوئی چیز حائل ہوئی جا رہی تھی، اس کی یکسوئی تباہ ہو چکی تھی، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کسی کے آنسوؤں کی یاد نے مقدس کتاب کی تحریر کو سراسر دھو ڈالا تھا، لیکن یہ ضرور ہوا کہ الفاظ دھندلے پڑ گئے، ایک خاص خیال تھا جو سب پر چھایا جا رہا تھا۔ جب گیانی جوگی منو مہاراج کے اس قول کو پڑھ رہا تھا کہ "عورت کسی حالت میں اعتماد کے لائق نہیں عورت ایک سانپ ہے۔ عورت سے دل کا کھیل مت کھیلو"۔ اس کا دل رک رک کر دھڑکنے لگا، اور اسکی زبان کی روانی رک گئی، وہ کچھ سوچنے لگا، آج پہلی بار اسے منو مہاراج کے زریں قول پر شک پیدا ہوا، ہر چند کہ وہ اس نظریہ کا بالکل مخالف نہ ہو گیا تھا۔ لیکن اس میں تبدیلی پیدا کرنی ضرور چاہتا تھا۔ یہ تھا اس کا پہلا کفر، جو ایمان سے زیادہ قریب تھا۔ ہر عورت اعتماد کے قابل نہیں۔ عورت ایک گلاب کا پودا ہے، جس میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی" یہ تھے تبدیل شدہ نظریئے کے پہلے دو اجزاء، اور تیسرے جز کے متعلق جوگی قطعی رائے قائم کرنے سے معذور تھا

وہ اس مقام سے آگے بڑھ گیا، لیکن اس کے دماغ میں یہ ٹکڑے چکر لگاتے رہے، اسے مطالعہ بند کر دینا پڑا اور وہ پودوں میں پانی ڈالنے چلا گیا، لیکن ہر پھول کو دیکھ کر کسی کا جمال صبیح اس کی نظروں میں پھر جاتا، پودوں کی شادابی دیکھ کر اسے کسی کی رعنائی یاد آجاتی اور گھاس پر شبنم کے قطروں کو دیکھتے ہی کسی کے قیمتی آنسوؤں کا خیال اس کے دل میں گداز پیدا کر دیتا، اب جوگی کو، بجائے پرماتما کی قدرت کے ہر شے میں کسی ارضی دیوی کی جھلک دکھائی دینے لگی —— وہ دن بھر کسی کے دل پذیر تخیل میں محو رہا —— غروب آفتاب سے پہلے کامنی گاگر میں جل لانے ندی کے کنارے جاتے ہوئے مندر کے قریب سے گذری، جوگی نے اس زہرۂ ارضی کے حسن ملاآنگ فریب کو دیکھا اور لرز کر رہ گیا —— ڈوبتے ہوئے آفتاب کی مضمحل کرنوں میں آنسو کے دو قطرے سرِ مژگان ستارۂ شام کی طرح چمکے، اور جوگی کے دامن کو مقدس بنا کر لازوال ہو گئے۔ اب جوگی منوجی کے نظریے کے تیسرے ٹکڑے پر بھی اپنی قطعی رائے قائم کر چکا تھا —— دل تو پہلو میں صرف اسلیے دھڑکتا ہے تاکہ اسے کسی عورت کے قدموں پر نچھاور کر دیا جائے، چاہے وہ اسے ٹھکرا دے یا اس کے قریب سے بے نیازانہ گذر جائے —— یہ تھا نوجوان جوگی کا نوزائیدہ نظریہ —— رات کو کتھا ہوئی، جوگی نے منوہاراج کے مذکورہ قول پر سخت نکتہ چینی کی، بہت سے لوگ محوِ حیرت تھے اور جوگی کی زبان قینچی سی چل رہی تھی، گھر یلو زندگی کی محبت کا نقشہ کھینچ کر اُس نے رائے عامہ کو اپنے خیال کا پیرو بنا لیا تھا، جوگی کے سیلاب دلیل کے سامنے منوجی کی روح بھی ایک تنکے کی طرح لرزاں تھی —— کتھا ختم ہوئی، جوگی اپنی کٹیا میں چلا گیا ——

اس کی زندگی کی یہ سب سے اہم رات تھی، آج اس کے دل کے مندر میں محبت کی دیوی براجمان تھی جسکی پوجا شور ناقوس میں نہیں کی جاتی، بلکہ رات کی خاموشیوں میں، جس کے حضور بھجن نہیں گائے جاتے، بلکہ جس کی عبادت "گریۂ خاموش" سے ہوتی ہے، جس کے آگے چڑھاووں کے عوض آنسوؤں کے ہار ہدیۂ پیش کئے جاتے ہیں جس کا ہر بلوریں پھول ایک دنیائے محبت کی تصویر ہوتا ہے، نوجوان جوگی کے بیدار دل میں ایک زندہ خلش کروٹیں لے رہی تھی، ایک لذت آگیں، درد ایک بے چین کر دینے والا گداز —— اُسنے رات بسر کی لیکن دل نواز صبح کی یاد میں

(۵)

—— ابھی سپیدۂ سحر اچھی طرح نمودار نہوا تھا کہ جوگی اٹھ بیٹھا، زہرۂ آسمان اس پر مسکرا رہی تھی، وہ سر تاسر کانپ رہا تھا۔ اس کی ساری تمنا میں آنکھوں میں کھنچی آرہی تھیں وہ تلسی کے مقدس پودے کے پاس کسی محبت ناک ہستی کی جستجو کر رہا تھا، جس نے اس کے نظام زندگی کو درہم و برہم کر دیا تھا، آج وہ اُٹھ کر پہلی بار مندر کا گھنٹہ بجانا بھی بھول گیا، وہ سراپا انتظار تھا —— صبح ہوئی تارے جھلملا، جھلملا کر رخصت ہوئے

ہر جگہ آثارِ حیات پیدا ہونے لگے، پرندون کے دلکش نغمون نے آمدِ سحر کا اعلان کر دیا اور ہر جاندار اپنی تمنا لیے ہوے اُٹھا —— کامنی بھی جس کی آنکھین رات کو جاگ کر در "سحر بیدار" ہو گئی تھین ندی مین اشنان کرنے آئی "حسنِ معصوم" کی قیامت خیزیون نے ندی کی موجون مین بھی زندگی پیدا کر دی اور لرزان موجین کامنی کے بلورین جسم سے ایک بار مس کر جانے کی آرزو لیے ہوے بڑھین اور کامیاب ہوئین۔ اس لمس سے نازک نورانی لہرین پیدا ہو ئین، اور فضا مین ایک دلکش لطیف نغمہ پھیل گیا، کامنی اشنان کر کے مندر کی طرف چلی جیسے کوئی حورِ آبِ کوثر سے نہا کر نکلی ہو، اور ندی دیدۂ حیران ہو کر اسے دیکھتی رہی، کامنی آج مندر جانا نہ چاہتی تھی لیکن آہ! راستہ تو اسی طرف ہو کر گیا تھا، مندر کے دروازے پر پہونچکر وہ خود بخود اندر کھنچ گئی وہ نہین جانتی تھی کہ کیا کر رہی ہے، مندر کے اندر آج وہ اپنے نازک جسم پر کسی کی جذبات سے لبریز نگاہون کا بار محسوس کر کے شرمائی جا رہی تھی، وہ جلد پوجا مین مشغول ہو گئی اور سراپا ایک اثر خیز دعا بن کر مستجاب ہوئی، جا رہی تھی لیکن پرارتھنا کرنے سے بھی قاصر تھی، آج کامنی خود ایک "گریۂ مسلسل"، ایک "حسین تمنا"، ایک "رنگین دعا" بن گئی تھی —— اس جمیل و ساحر منظر کی نوجوان جوگی تاب نہ لا سکا اور بے تابانہ کامنی کی طرف بڑھا، کامنی لجالو کی طرح سمٹ گئی اور چونک اٹھی جوگی بے خود ہو رہا تھا بولا —— اے میری سرمایۂ حیات! اے محبت ناک لڑکی! اے وہ کہ جس نے میرے دل مین قیامت برپا کر دی ہے، جس نے میری روح تک کو اپنا اسیر بنا ڈالا ہے، مجھے اپنے قدمون پر مٹ جانے دے! مین تیرے حضور اپنے دل کا ادنیٰ ترین ہدیہ لایا ہون، اسے قبول کر! —— اے میرے دل کے مندر مین رہنے والی دیوی مجھے اجازت دے کہ تیرے تلوون سے آنکھین ملون . . . !

. . . " کامنی لجاتی ہوئی بولی —— " —— جوگی جی مہاراج آپ میرے دھرم گرو ہین، مین آپکی داسی ہون . . . " وہ اور کچھ نہ کہہ سکی لیکن وہ اپنے دل رُبایانہ انداز اور رفتار نہ تیور سے بہت کچھ کہہ رہی تھی

نوجوان جوگی بے خودانہ انداز سے پھر کامنی سے مخاطب ہوا —— آہ! دھرم گرو بھی انسان ہی ہوتے ہین، اور دنیا مین بہت سی ایسی چیزین ہین جن سے وہ بھی مستغنی نہین —— ایک بار محبت کا سبق سیکھنے کے بعد گرو اور چیلے مین کوئی فرق باقی نہین رہتا، آہ اب تو مین تیری پوجا کرتا ہون —— چل! ایک نامعلوم دیار مین چل جہان ہم ایک نیا شوالہ تعمیر کر سکین جس کی بنیادین پریت اور محبت پر ہون. جہان مین تیری الفت کی سمرن جپ سکون اور تیری پوجا اپنی بہترین عبادت سمجھون . . . " —— یہ کہہ کر جوگی رونے لگا اور کامنی بھی محبت کے آنسو بہا رہی تھی . . . یہ تھا ان کا پیمانِ وفا، نازک لیکن بہت زیادہ مستحکم، فرشتون نے اس منظرِ پرکیف کو دیکھا اور محوِ حیرت رہ گئے غالباً انھون نے بھی خدائے قدوس کے حضور مین کبھی اس سے زیادہ خلوص و محبت کا ہدیہ پیش نہ کیا تھا ——

اختر اُرینوی

اقبالنامۂ جہانگیری کا ایک قلمی نسخہ

اور

عہدِ مغلیہ کے ایک درباری اہلِ قلم کے چشمدید بیانات

بسلسلۂ مئی ۱۹۳۱ء

صوفیا و درویش اکبر کی طرح جہانگیر کو بھی ہر مذہب و ملت کے فقراء اور تارک الدنیا درویشون سے عقیدت تھی معتمد خان نے اس سلسلے مین بعض نہایت دلچسپ واقعات لکھے ہین۔

جلوس کے گیارھوین سال شہر اوجین مین جہانگیر کا گذر ہوا وہان ایک ہندو فقیر کی ریاضت و عبادت کا حال سن کر اس کی ملاقات کا اسے شوق ہوا، اور آخرکار جوگی کے مٹھ پر پہنچ گیا،

اس فقیر نے آبادی اور رہ گزر سے دور ایک جنگل مین اپنا مٹھ (صومعہ) بنایا تھا، اور اسی مین ایک گڑھا کھود کر رہا کرتا تھا، اس گڑھے کی لمبائی آدھ گز اور چوڑائی ۳ ۱/۲ گز تھی، جوگی پہلے دونون ہاتھ سوراخ کے اندر دیکر سہارے سے نیچے اترتا تھا، اور اسی طرح اس سے نکلتا بھی تھا، گرمی مین ایک چٹائی اور جاڑے مین ایک ٹاٹ پر گزر کرتا تھا، پہننے کے لیے آدھ گز کا ایک کپڑا رکھتا تھا جس سے بس دہشت کی ستر پوشی ہوسکتی تھی دریا مین دو مرتبہ غسل کرتا، پانی پینے کا تانبے کا ایک برتن تھا، شہر اوجین کے اندر برہمن خاندان کے صرف سات گھرون مین وہ کھانا کھاتا تھا اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس گھر مین کوئی جشن اور تقریب نہوئی ہو۔ صبح کے وقت روزانہ وہ آبادی مین آتا تھا، اور ان سات گھرون مین سے تین دروازون پر جاتا اور بھکاری کی طرح کھڑا رہتا، اہل خانہ پانچ لقمے اسکے کھانے کیلیے جو وہ پکاتے تھے یا مہیا رکھتے تھے، اس کے ہاتھ مین دیدیتے اور وہ جوگی بلا چبائے ہوئے اور لذت لیے ہوئے نگل جاتا تھا، مصنف لکھتا ہے۔

بصحبت مردم چندان راغب نیست علم بیدانت کہ مراد از علم تصوف باشد خوب ورزیدہ فہم تیز و مدرکہ عالی دارد حضرت شہنشاہی بخانہ او کہ معمورہ حقیقت بود تشریف بردہ صحبت ستونی داشتند مصطلحات تصوف اہل اسلام را با طریق تصوف خود تطبیق دادہ بیان نمود، صاحب این مقام را "سرب باشی" نامند یعنی تارک ہمہ،

اس کا نام اجہدروپ تھا، اقبالنامہ کے اندر ایک جگہ اور اس کا تذکرہ ہے، تیرھوین سال جلوس کے سلسلہ مین مصنف لکھتا ہے۔

اجہدروپ کہ درا وجین کسب انزوا اختیار کردہ بود مرتوم گشتہ، در ہنولا از اوجین بہ متھرا کہ از اعظم معابد ہنود است نقل مکان نمودہ در پائے جمنا بہ آئین دین خویش یزدان پرستی می نمود حضرت شاہنشاہی ظلمت کدۂ او را بہ نور و قدوم سعادت لزوم روشنی بخشید، در زمان ممتد در خلوت صحبت ستونی داشتند۔

گیارھوین صدی جلوس کے سلسلے مین ایک صوفی حافظ کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔

صوبۂ کشمیر کے نامہ نگاروں نے دربار شاہی مین صوفی حافظ کے سانحۂ وفات کا عجیب و غریب واقعہ لکھ بھیجا، حضرت حافظ ایک درویش تھے جنھون نے چالیس سال سے کشمیر کی ایک خانقاہ مین اقامت اختیار کر لی تھی، مرنے سے دو سال قبل خانقاہ کے وارثون سے درخواست کی کہ مرنے کے بعد مجھے اسی کے ایک گوشے مین دفن کر دیا جائے، انھون نے خوشی دل سے قبول کیا، جب موت کا زمانہ نزدیک آیا تو دوستون اور عزیزون سے کہا کہ میرے پاس ایک امانت ہے جسے مین مرنے سے قبل تمھارے سپرد کر دینا چاہتا ہون اس کے بعد کشمیر کے ایک قاضی زادے کو جسے شیخ کے ساتھ ایک خاص درجے کی عقیدت تھی پاس بلایا اور کہا کہ میرے قرآن کیلیے سات سو روپے لاؤ اور اس مین سے ایک حصہ میری تجہیز و تکفین مین صرف کرو، اور کل جمعہ کے دن جب اذان کی آواز سنو تو میری خبر لینا، اور بقیہ چیزین اپنے دوستون کو بانٹ دین، جمعرات کے دن شام کے وقت حمام مین جاکر غسل کیا دوسرے دن قاضی زادہ نماز سے قبل خانقاہ مین آیا دیکھتا ہے کہ حجرے کا دروازہ بند ہے اور خادم دروازے پر بیٹھا ہے، قاضی زادہ ارادہ ہی کر رہا تھا کہ شیخ کی حالت دریافت کرے کہ خود بخود حجرے کے اندر سے آواز آئی،

تا در حجرہ خود بخود کشادہ نگردد جستجوے احوال من نہ کنی، قاضی زادہ بر پائے توقف می نماید

تا در حجرہ وامی شود و باتفاق مردم درون در می آیند و می بینند کہ مقابل قبلہ دو زانو نشستہ جان بحق تسلیم نمودہ،

دسوین سال جلوس کے سلسلے مین مصنف نے جہانگیر کے سفر احمد آباد اور وہان کے بعض مقابر و عمارات کے متعلق تفصیل سے روشنی ڈالی ہے چنانچہ لکھتا ہے،

مزار شاہ عالم در سر راہ واقع بودہ بدرون روضہ درآمدہ فاتحہ خواندند ممکن کہ یک لک روپیہ صرف عمارت این مزار فایض الانوار شدہ باشد سلسلۂ ایشان بہ مخدوم جہانیان منتہی می شود و مردم گجرات راغریب اعتقاد بہ حضرت شاہ است، می گویند کہ کرار شاہ عالم احیائے اموات بظہور پیوستہ بعد ازانکہ پدرش ازین معنی آگاہی یافتہ مانع آمدہ کہ تصرف در کارخانۂ الٰہی خلاف شرط بندگی است، سید محمد کہ امروز جانشین ایشان است از خوبان روزگار است شاہ عالم در ہشت صد دہشتاد ازین جہان فانی بہ عالم جاودانی شتافت

اولیا، اللہ اور بزرگون کے مقبرون مین نیازمندانہ جانا، جائداد وقف کرنا اور فقراء و تارک الدنیا جوگیون سے ملنا جلنا جہانگیر کا طغرائے امتیاز تھا چنانچہ مصنف اقبالنامہ نے بعض اور واقعات لکھے ہین جنھین عمارات و آثار کے ذیل مین لکھنا زیادہ مناسب ہے،

عمارات و آثار جہانگیر فطرت کی طرف سے جمالیات پرستی کا نہایت ہی نازک اور لطیف ذوق لے کر آیا تھا، سبزہ زار اور آبشارون، گل و گلستان، قدرتی مناظر اور حسین وجمیل عمارات و مقابر سے اسے بڑی دلچسپی تھی اس نے اپنے عہد حکومت مین بہت سی پرانی عمارتون کی از سر نو ترتیب دی، بڑے بڑے مقبرے اور پر تکلف باغ بنوائے۔

جلوس کے پہلے سال کابل مین گیا تو وہان شہر آرا نامی ایک باغ کے پہلو مین اپنا ایک جنت نشان باغ بنوایا اس مین نہرون سے پانی جاری کیا اور اس کا نام جہان آرا رکھا

جلوس کے گیارھوین سال جہانگیر جب دہلی مین آیا تو سلیم گدہ مین اترا، اس عمارت کے متعلق معتمد خان لکھتا ہے

در منزل سلیم گدہ کہ سلیم خان (سور خاندان) در ایام حکومت برلب آب جون اساسش نہادہ چہار روز مقام فرمودند، الحق منزل کیف دلنشین است،

جلوس کے تیسرے سال جہانگیر اکبر کے مقبرے کی زیارت کیلیے پاپیادہ (سہ کرود) گیا، مصنف لکھتا ہے

بعد از فراغ زیارت...... روضۂ مقدس را بہ تعمق نظر دیدہ و سنجیدہ تصرفاتے کہ بخاطر شکل پسند رسید فرمودند مبلغہائے کلی بہ رسم خیرات بہ اہل حاجت عنایت شد

مبلغ یازدہ لکھ روپیہ خرچ عمارت روضہ متبرکہ حضرت عرش آشیانی شدہ

گیارھویں سال جلوس کے تذکرے میں مصنف نے جہانگیر کے اس کارنامۂ عظیم پر ایک دلچسپ تبصرہ کیا ہے، جو اس نے آثار قدیمہ کی حفاظت و درست کے لیے ایک انجینیر مقرر کر کے انجام دیا تھا،

میر عبدالکریم معموری (انجینیر) بموجب حکم اشرف عمارت سلاطین نامی را درست دلخواہ نمود، مجدداً ...... خوش و عمارات دلکش از جھروکہ، غسل خانہ ترتیب دادہ بود، مستحسن افتاد، قریب سہ لکھ روپیہ صرف شدہ باشد قلعہ ماندو بر قلہ کوہ واقع شدہ دور آن دہ کروہ بسانت درآید، در ایام برشکال خوش ہوا و روح افزا مقامی است آثار سلاطین در ماندو بسیار است از جملہ گنبدیست، مدفن سلاطین ہوشنگ بغایت عالی[1] دیگر مسجد بیت معظم و گنبدے مدفن سلاطین صالحیہ و منارے از سنگ در غایت حسن اندام و موزونی

قلعہ ماندو کی بعض عمارتوں کی درست کرا کے جہانگیر احمد آباد پہنچا، یہاں کے مقابر و مساجد کے دلکش نظارے کیے، مصنف نے احمد آباد کے متعلق صرف اسی قدر لکھا ہے،

بانی شہر احمد اباد سلطان احمد نبیرۂ ظفر خانست،

اور اس کے بعد احمد آباد کی مسجد اور شیخ وجیہ الدین کے مقبرے کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے لیکن جو لوگ دولت بہمنیہ کی تاریخ سے ناواقف ہیں وہ احمد آباد کی اہمیت اور سلطان احمد کی خصوصیات سے لذت اندوز نہیں ہو سکتے، فرشتہ کے اندر اس باب میں بعض نادر واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس تاریخ میں احمد آباد کی بنیاد پڑی اس مقام کا قدیم نام کیا تھا اور جغرافی اور تاریخی حیثیت سے اس جگہ کو کونسی اہمیت حاصل ہے احمد شاہ بہمنی نے ۸۲۵ھ سے ۸۳۸ھ تک حکومت کی، احمد آباد کی بنیاد ڈالنے کا خیال سلطان کو اس وقت ہوا، جب وہ سلطان ہوشنگ شاہ کے ساتھ معرکہ آرا تھا، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے،

---

[1] محمود غزنوی کے بعد سلاطین دہلی میں سے خاندان تغلق کے ایک بادشاہ غیاث الدین کے عہد میں مالو فتح ہوا، اس خاندان کے بادشاہ محمود بن فیروز شاہ کے قتل کے بعد حسین نامی ایک شخص جو سلطان دہلی کی طرف سے گورنر تھا مالوہ کا خود مختار حاکم بن بیٹھا، اس کا لقب دلاور خان تھا اسے شہاب الدین غوری کی اولاد بتاتے ہیں۔ اس کے خاندان نے مالوہ اور مندو میں ۸۰۴ھ سے ۹۳۷ھ تک حکومت کی ہوشنگ دلاور خان کا بیٹا تھا، باپ کی زندگی ہی میں اس نے مندو میں ایک نہایت مستحکم قلعہ بنایا تھا، فرشتہ کی روایت ہے کہ مندو میں ہوشنگ کا مقبرہ ہے جس کے داخلی حصے میں پانی ٹپکتا رہتا ہے ابو القاسم فرشتہ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کا خیال ہے کہ پتھر کی دراروں سے جو ہوا گذرتی ہے غالباً یہ اسی کا اثر ہے کہ پانی کی شکل میں بدل جاتی ہے اہل ہند اسکو سلطان ہوشنگ کی کرامات سے تعبیر کرتے ہیں (دیکھو فرشتہ مقالہ ۵)

چون بہ حوالی حصار بیدر رسید با فرزندان و مقربان بہ عزم شکار از لشکر جدا شدہ مانند فلک دوار سیار گردید ...... در اثنائے سیر نظر خجستہ اثرش بہ صحرائے افتاد کہ در وسعت و خضرت مانند سپہر اخضر بود، در لطافت و صفا مثال چشمہ خور روشن زمینش چون بہشت برین بہ انواع ریاحین آراستہ و بہ گونہ گونہ رستنیہا پیراستہ، مجاوران شام و سحر در خاک پاکش طبلۂ عنبر اشہب کشادہ و مسافران صبا و شمال در ہوائے فیض بخشش نافۂ مشک از خرہنا دہ،

یہ تھے وہ قدرتی مناظر جو حصار بیدر کے نزدیک صحرا میں نظر آرہے تھے، احمد شاہ نے یہاں ایک لومڑی دیکھی نہایت حیلہ گر اور نیرنگ ساز، میر شکار کو حکم دیا کہ شکاری کتوں کو اس پر چھوڑے انھوں نے زبردست حملہ کیا لومڑی نے بھی حیلہ گری شروع کی اور چاہتی تھی کہ کسی ماں یا گڑھے وغیرہ میں چھپ جائے لیکن میسر نہ ہوا، کتوں نے تعاقب کیا اور اس کے نزدیک پہنچ گئے، اب لومڑی نے بجائے گریز کے کتوں پر حملہ کر دیا، سلطان نے دیکھا تو دانت میں انگلی دبالی، یکایک اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ لومڑی کی یہ جرأت ممکن ہے یہاں کی آب و ہوا کی برکات کا نتیجہ ہو اس لیے اس کا ارادہ ہوا کہ یہیں اپنا دارالسلطنت بنائے یہ خیال اس نے اکابر دربار کے سامنے پیش کیا، چنانچہ سبھوں نے اس نظریے سے اتفاق کیا اور بتایا کہ یہ مقام چونکہ مملکت دکن کے وسط میں واقع ہے اس لیے یوں بھی دارالسلطنت ہونے کا مستحق ہے، ابوالقاسم فرشتہ اپنا ذاتی خیال اس کے متعلق لکھتا ہے،

وسوادِ این اوراق می گوید کہ معظم بلاد ہندوستان را دیدہ ام در لطافت و خوبی مثل آن مملکت بہ نظر نیامدہ است، زمینش مانند شنجرف سودہ سرخ است و در ایام برشکال کہ خوب ترین فصلہائے ہندوستان است گل ولائے نمی شود چراکہ در احوال شہر تا دہ فرسخ چون اکثر زمین سرخ است و چسپندگی ندارد در وقت سیر و شکار نہ اسپ تشویش می کشد، و نہ آدم بلکہ سم اسپان و پائے آدمیان در موسم باران گل آلود نمی گردد و جامہ و بدن سرخ نمی شود۔ و اکثر میوہائے ولایات خراسان و عراق دران جامی شود، و خواجہ محمود گاوان المخاطب بہ خواجہ جہان زعفران بہ امرود و اقسام انگور نیز دران زمین حاصل کرد،

اہل دربار نے جب بادشاہ کے ارادے سے اتفاق کیا تو سلطان نے منجموں کو بلایا تاکہ وہ زائچے کے ذریعے دیکھ کر اس کا پتہ بتائیں کہ حصار بیدر کے نزدیک شہر یا دارالخلافت بنانا ستاروں کی سعادت و نحوست کے اعتبار سے کیا اثر رکھتا ہے، منجموں نے بادشاہ کی رائے صائب بتائی اور سلطان نے عمارت بنوانی شروع کر دی۔

مہندسانِ اقلیدس شعار وطراحان مانی آثار بدائع انگار کہ از اقطار و امصار بپایۂ سریر ثریا جمع آمدہ بودند بہ کلک بصارت صورت شہر و عمارات را بر لوح مہارت نگاشتند و بمسامع جہانبانی رسانیدہ در ساعتے کہ کیوان بلند ایوان بیت الشرف خویش را مشرف ساختہ بودند و ناہید عیش گستر روے بہ برج ثور نہادہ و قمر سریع السیر فلک در برج ثیر کہ آشیانہ خورشید است منزل گاہ خود ساختہ و مشتری سعادت اثر در جلوہ گاہ خویش رحلِ اقامت انداختہ اختیار بنائے شہر نمودند، و معمارانِ دانشور و بنایانِ صاحب ہنر بکار خویش مشغول شدہ در جائیکہ قدیم الایام حصار بیدر بود دارالامارہ ساختند و منازل و مساکن شاہانہ در اندک زمانے بہ تقدیم رسانیدند، پس امرا و اعیانِ درگاہ و سائر سپاہیان دور عمارت شاہی طرح منازل افگندہ آن بلدہ را بہ "احمد آباد بیدر" موسوم گردانیدند،

بیدر اپنے اندر بعض قدیم تاریخی خصوصیات بھی رکھتا ہے، یہین سے حسن وعشق کی ایک روایت جمیل مشہور ہوئی فیضی نے نلدمن لکھ کر صرف اکبر ہی کی تکمیل آرزو نہین کی بلکہ بیدر کی ایک غزال رعنا کی فسونگری کے متعلق افسانہ لکھ کر ہندوستان کو فارس وعرب کے دعوے داران عشق و درد کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، کون کہہ سکتا ہے عرب نے قیس ولیلیٰ، وامق وعذرا اور فارس نے فرہاد وشیرین پیدا کیے تو ہندوستان نے اپنے دامن تربیت مین نل و دمن کو جوان کرکے دنیائے درد ومحبت مین کم قربانیان کین قدیم زمانے مین بھیم سین اسی بیدر کا راجہ تھا اور اسی کی لڑکی دمن پر مالوہ کا راجہ عاشق ہوگیا تھا جن کی عشقیہ داستان کو سن کر فیضی نے اپنی مثنوی لکھی،

احمد شاہ نے احمد آباد بیدر کی تعمیر کرائی تو فارس کا ایک یگانۂ روزگار ادیب اور علامۂ دہر شیخ آذری اسفرائینی دربار مین موجود تھا، اس نے ایک قصیدہ کہا، جب دارالامارہ کی تعمیر کا کام ختم ہوگیا تو شیخ آذری نے یہ دو بیت کہے،

حبذا قصر مشید کہ ز فرطِ عظمت　　　آسمان سدرہ از پایۂ این درگاہ ست
آسمان ہم نتوان گفت کہ ترکِ ادبست　　　قصرِ سلطانِ جہان احمد بہمن شاہ ست

ملا شرف الدین مازندرانی نے جنھین خوشنویسی مین کمال تھا اور بڑے مشہور تھے، خطِ جلی مین یہ ابیات لکھے اور تلنگ کے سنگ تراشون نے جو تقلید مین سحر کی حد تک مہارت رکھتے ہین انھین بڑے پتھر پر کھود کر دروازے کے اوپر لگا دیا، اسی زمانے مین حضرت سید محمد گیسو دراز نے انتقال کیا تھا اس لیے بادشاہ مرشد کی جدائی مین ایک روحانی الم محسوس کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ شیخ آذری کو باوجود درخواست وطن جانیکی رخصت نہین دی تھی

جب بادشاہ نے یہ کتبہ دیکھا اور شہزادہ علاءالدین نے بتایا کہ یہ ابیات شیخ آذری کی فکر کا نتیجہ ہین تو بادشاہ بہت خوش ہوا، شہزادے نے موقع پاکر عرض کیا کہ شیخ وطن کی طرف معاودت کرنا چاہتے ہین، بادشاہ نے اجازت دیدی[۵]
شہر بیدر نے فارسی لٹریچر مین بھی شہرت حاصل کرلی اس کا واقعہ یون ہے کہ خواجہ محمود گاوان جنھین دولت بہمنیہ مین بہت بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور جو وزارت کے درجے پر فائز تھے بڑے علم دوست واقع ہوے تھے، ان سے اور حضرت جامی سے خط و کتابت تھی اور خواجہ محمود شاعر کو برابر تحائف بھیجا کرتے تھے چنانچہ جامی نے ایک قصیدے کے اندر جس مین خواجہ محمود کی دعوت کے سلسلے مین معذرت نامہ پیش کیا ہے لکھا ہے ؎

شہر بیدر را چنان در بست بر من کبریا[۲]

چونکہ ہوشنگ شاہ اور احمد شاہ بہمنی کی معرکہ آرائی ۸۳۲ھ مین واقع ہوئی اس لیے یہی احمد آباد کی تعمیر کا زمانہ ہے،

یہ تمین چند ضمنی بحثین جو معتمد خان کی کتاب اقبال نامہ مین نہین، اور جن کا جاننا اس سلسلے مین ناظرین کے لیے بہت ضروری تھا معتمد خان نے احمد آباد کی شاہی مسجد اور خانقاہ شیخ وجیہ الدین کے متعلق ایک تبصرہ کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

احمد آباد مین شہر کے اندر ایک بہت عالی شان مسجد ہے، اسکے تین دروازے ہین، اور ہر دروازے کے نزدیک ایک بازار ہے، جو دروازہ پورب طرف ہے اُسکے مقابل سلطان احمد شاہ کا مقبرہ ہے جس مین اس کا بیٹا اور پوتا قطب الدین بھی محو خواب ہے، مسجد کی لمبائی ۱۲۳ گز اور چوڑائی ۸۹ گز ہے اسکے چارون طرف مکانات ہین مسجد کے فرش صحن مین اینٹین بچھی ہوئی ہین اور اس مین سنگ سرخ کے ستون ہین مقصورہ (حجرے) مین ۳۵۴ ستون ہین اور ستون کے اوپر گنبد بنائے گئے ہین مقصورہ کی لمبائی ۷۵ گز اور چوڑائی ۳۷ گز ہے، مقصورے کا فرش اور محراب سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے،

مصنف شیخ وجیہ الدین کے متعلق رقم طراز ہے کہ جہانگیر شیخ موصوف کی خانقاہ مین گیا، اس کے تیس سال قبل شیخ رحلت کرچکے تھے اس وقت شیخ حید سجادہ نشین تھے، سلطان احمد شاہ بہمنی کو شیخ وجیہ الدین سے

---

[۵] یہ تمام تفصیلات تاریخ فرشتہ مقالۂ سوم مین ملتے ہین، [۲] دیکھو نگار بابت دسمبر ۱۹۲۸ء عرفی ستیر ۲ نزی

بڑی عقیدت تھی، چنانچہ اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ شیخ اپنے موطن و مولد سے گجرات میں آئے جمعہ کی شب کو تمام وضیع و شریف شیخ کی زیارت کو آتے ہیں،

سلطان محمد پسر احمد مذکور عمارات عالی از مقبرہ و مسجد و خانقاہ بر سر مزار عالیشان اساس نہادہ متصل بہ مقبرہ در ضلع جنوب نال کلان ساختہ......... و اتمام این عمارات در زمان قطب الدین ولد محمد شاہ گشتہ و مقبرہ سلاطین گجرات بر کنارہ نال در طرف پائے شیخ واقعست و دران گنبد سلطان محمود بیکرہ، و سلطان مظفر پسر او و محمود کہ آخرین سلاطین گجرات است آسودہ اند و بے اغراق مقبرہ شیخ مقامیست پر فیض از روئے قیاس پنج لک روپیہ صرف این عمارت شدہ باشد[1]

مصنف اقبال نامہ نے حضرت شیخ سلیم چشتی کے مقبرے اور اس عظیم الشان مسجد کا تذکرہ بہ تفصیل لکھا ہے جن کی تعمیر اکبر کے زمانے میں ہوئی، شیخ سلیم کے حالات زندگی اور ان کے مقبرے کا تذکرہ تاریخ فرشتہ کے بارھویں مقالہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ شیخ سلیم حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر کی اولاد میں سے تھے، آپکے والد ایک سپاہی تھے آگرہ کے نزدیک ایک قصبہ سکری میں پیدا ہوے، سن رشد کو پہنچے تو ضروری مسائل سیکھ کر علوم باطنی کی طرف راغب ہو گئے ایک مرتبہ سولہ برس تک عرب و عجم، روم و یمن کی سیر کی اور دوسری مرتبہ سات برس تک سیاحت کرتے رہے، بہت دنوں تک بصرے میں رہے اور بائیس حج کیے آخر میں ہندوستان واپس آئے اور ایک کوہستان میں جو آپ کے مولد سکری کے پہلو میں واقع ہے سکونت اختیار کی، شیر شاہ و سلیم شاہ اور خواص خان (جو دربار سوری میں بڑا عہدہ رکھتا تھا) حضرت شیخ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، جلال الدین اکبر ایسے برگزیدہ ہیے

---

[1] سلطان محمود بیکرہ سلطان قطب الدین محمد شاہ گجراتی کا چھوٹا بھائی تھا، تاج و تخت کا مالک تو قطب الدین کا چچا داؤد خان بنایا گیا تھا لیکن بدأطواری کے باعث تخت سے اتار دیا گیا اور محمود بیکرہ تخت پر بیٹھا، اس نے ۸۶۳ھ سے ۹۱۷ھ تک حکومت کی "بیکرہ" کی وجہ تسمیہ فرشتہ نے یہ لکھی ہے کہ بیکرہ اس گاے کو کہتے ہیں جس کی سینگیں اوپر اٹھی ہوئی گردادار ہوں، چونکہ محمود بیکرہ کی مونچھیں ایسی ہی تھیں اسی لیے یہ لقب دیا گیا لیکن پھر صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ شاہ جمال الدین حسین انجو نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ بادشاہ نے دو قلعے گرنال اور جینانیر پر قبضہ کر لیا اس لیے اس نے "بیکرہ" یعنی دو قلعوں کا مالک کہا جاتا ہے اور اسی کو وہ صحیح بتاتا ہے۔ مظفر شاہ گجراتی (۹۱۷ھ سے ۹۳۲ھ) سلطان محمود بن لطیف خان بن سلطان مظفر (۹۴۴ھ سے ۹۶۱ھ) محمود کے بعد اور بھی دو بادشاہ گجرات میں تخت پر بیٹھے لیکن انھیں گجرات کے شاہی خاندان سے کوئی علاقہ نہ تھا اس لیے معتمد خان نے انھیں آخری بادشاہ کہا محمود کی وفات کے سال سلطان سلیم شاہ سوری اور نظام الملک بحری حاکم احمد نگر نے بھی وفات کی ابوالقاسم فرشتہ کے والد مولانا غلام علی ہندو شاہ نے تاریخ کہی جسکا آخری بیت یہ ہے

ز تاریخ وفات این سہ خسرو   چہ پرسی زوال خسروان بود   (فرشتہ)

کہ اس کوہستان میں ایک شہر بنوا دیا اور اس کا نام فتحپور رکھا یہی بارہ برس تک دولت مغلیہ کا پایۂ تخت بنا رہا، حضرت سلیم نے ۹۷۹ھ میں رحلت کی شیخ کے بڑے صاحبزادے بدر الدین سجادہ نشین ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد مکہ میں جا کر فوت ہو گئے۔ شیخ کے دوسرے صاحبزادے قطب الدین تھے آپ کی والدہ نے جہانگیر کو دودھ پلایا تھا اس لیے جہانگیر نے اپنی حکومت کے زمانے میں انہیں بنگالہ کا حاکم مقرر کر دیا، جب وہ کسی اہل غدر کے ہاتھ سے مقتول ہوئے تو بدر الدین کے لڑکے علاء الدین کو اسلام خان کا خطاب اور بنگالہ کی حکومت ملی،[1]

اقبالنامۂ جہانگیری میں شیخ سلیم کے مقبرے و بعض آثار کی تفصیل باین الفاظ مذکور ہے،

روز جمعہ سیزدہم بہمن (　　　) زیارت روضہ غفران پناہ شیخ سلیم چشتی ارزانی داشتہ اظہار نیازمندی بسیار فرمودند، یکے از اعاظم آثار کہ در زمان دولت و عہد خلافت حضرت عرش آشیانی (اکبر) انار اللہ برہانہ بظہور آمدہ این مسجد است بے اغراق عمارتیست عالی از سیاحان ربع مسکون استماع افتادہ کہ مثل این مسجد در ہیچ بلادے از معمورۂ جہان نیست عمارتش ہمہ از سنگ در غایت صفا آرایش یافتہ پنج لک روپیہ از خزانۂ عامرہ خرچ گشتہ باتمام رسید[2]

اس کے بعد مصنف نے مسجد کے طول و عرض اور بلندی کے متعلق مفصل حالات لکھے ہیں،

یہ مسجد ایک پہاڑ کے اوپر جنوبی سمت بنائی گئی ہے اس میں دس بڑے بڑے پرتکلف دروازہ ہیں، صدر دروازہ (پیش طاق) ۱۲ گز چوڑا، ۱۶ گز لانبا، پچاس گز اونچا ہے، اسی قسم کا دوسرا دروازہ پورب طرف ہے مسجد کی لمبائی اس مشرقی چھت سے دیوار (کی) چوڑائی کو لیے ہوئے ۲۱۲ گز ہے اس میں مقصورہ (چھوٹا حجرہ) شامل نہیں ہے ۵ ½ گز چوڑا ۱۵ گز لانبا، بیچ میں ایک گنبد واقع ہے، اس کا صدر دروازہ ۷ گز چوڑا، اور ۴ گز لانبا اور ۵ گز بلند ہے اور اس کے دونوں پہلو میں دو چھوٹے چھوٹے گنبد واقع ہیں چاروں طرف ۸۴ حجروں کا ایک ایوان ہے اس سلسلے کا ہر حجرہ ۴ گز چوڑا، اور ۵ گز لانبا ہے اور خود ایوان ۷ ½ گز چوڑا ہے (یعنی ہر حجرے کے سامنے ۳ ½ گز کا ایک سائبان ہے) اور مقصورہ کے علاوہ مسجد کی صحن ۱۶۴ گز لانبی اور ۱۴۳ گز چوڑی ہے۔ ایوان اور مسجد کے اوپر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے ہیں جو کہ برسات کے زمانے میں مینھ کے پانی سے مملو

[1] تاریخ فرشتہ مقالہ ۱۲　[2] اقبالنامہ جہانگیری وقائع سال دوازدہم

ہو جاتے ہیں اور چونکہ فتحپور ہیں بانی کم برستا ہے اس لیے یہی پانی سال بھر تک کے لیے اس خانقاہ کے مجاوروں اور متعلقوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اتر اور پورب کی طرف بڑے دروازے کے مقابل شیخ سلیم کا روضہ ہے جس پر سات گز کا ایک گنبد ہے اور اسی کے مقابل میں پچھم طرف تھوڑے فاصلے پر دوسرا گنبد واقع ہے، جس میں شیخ سلیم کی اولاد اور عزیز مدفون ہیں

چودھویں سال جلوس کے سلسلے میں مصنف لکھتا ہے،

رایات اقبال بصوب لاہور ارتفاع یافت بحکم اشرف در ہر منزل عمارتے اساس یافتہ

جلوس کے بائیسویں سال موت سے کچھ قبل جہانگیر نے اکبر کی طرح اجمیر کا پاپیادہ سفر کیا، مجاوروں اور معتکفوں کو مالامال کر دیا، اور سنگ مرمر کی ایک مسجد بنوادی، معتمد خان کا بیان ہے،

مسجد عالی از سنگ مرمر طرح انداختہ بانیان چابک دست مقرر بودند کہ در اندک فرصتے بدستورے کہ طرح شدہ بود حسن انجام بخشید،

قلعۂ کانگڑہ کی فتح چونکہ سیاسی اور تاریخی حیثیت سے اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتی ہے اسلیے معتمد خان نے تفصیل کے ساتھ اس کا حال لکھا ہے

قلعہ کانگڑہ بر فراز کوہ مرتفع واقعست استحکام .... بحدیست کہ تا آوقت دمار مصالح قلعداری برجا باشد دست استیلا بدامنش نمی رسد وکمند تدبیر از تسخیر آن قلعہ کوتاہ است .... قلعۂ مذکور بست وسہ برج وہفت دروازہ دارد

کوئی مسلمان بادشاہ باوجود کوشش اسے فتح نہ کرسکا، جہانگیر نے اسے فتح کیا تو یہاں اذان دلائی نماز خطبہ پڑھا قربانی کی اور قلعہ کے اندر ایک عالی شان مسجد بنوائی چنانچہ مصنف اقبال نامہ لکھتا ہے،

حکم فرمودند کہ قاضی ومیر عدل ودیگر علمائے اسلام در ر کاب بودہ آنچہ شعائر اسلام وشرائط دین متین محمدیت علیہ الصلوٰۃ والسلام در قلعۂ مذکور بعمل آرند بتوفیق ایزد جل سبحانہ، بانگ نماز وخواندن خطبہ وکشتن گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے این قلعہ تاحال بوقوع نیامدہ بود ہمہ در حضور اشرف بظہور آمد وسجدات شکر این موہبت عظمیٰ وعطیۂ کبریٰ کہ ہیچ پادشاہے توفیق بران نیافتہ بود بتقدیم رسید وحکم شد کہ مسجد عالی درون قلعہ اساس نہند، (باقی)

عبد المالک آروی

مرزا کامران

گو مرزا کامران کی زندگی کے متعلق تاریخین ساکت نہین ہین لیکن حالات پراگندہ ضرور ہین کسی مورخ نے بچپن کی طرف زیادہ توجہ کی کسی نے ایام جوانی کے تذکرے مین طوالت سے کام لیا، اور کسی نے موت کے دردناک لمحون پر رنگ آمیزی کی۔ اسی دوران مین بعضون نے فسانے کو واقعہ اور بعضون نے واقعہ کو فسانہ بناڈالا بہرحال بہت کم مورخون نے کامران کی سیاسی تگ و دو کو ایک جگہ جمع کیا ہے اور شاید کسی نے بھی اس کی شاعری کی طرف کافی توجہ نہین کی، اس لیے ہم نے کوشش کی ہے کہ یہی دو چیزین اس مضمون مین جمع ہوجائین

(سید بادشاہ حسن)

(۱)

سلطان محمود مرزا کے بیٹے مرزا خان کی وفات پر بابر نے ہمایون کو بدخشان کا حاکم مقرر کیا اور ہندوستان فتح کرنے کے بعد ۱۵۲۰ء مین قندھار پر مرزا کامران کو حکمران کیا، ۱۵۳۰ء مین جب کامران نے بابر کی موت کی خبر سُنی تو ملک گیری کی طمع نے لاہور کا رخ کرنے پر مجبور کیا، قندھار کی نگرانی کے لیے اپنے بھائی مرزا عسکری کو چھوڑ کر فتح و ظفر کی امنگ مین نکل پڑا، میر یونس کو جو اس وقت پنجاب کا گورنر تھا، سبز باغ دکھلائے، دام فریب بچھایا، لالچ کے دانے بکھیرے اور خود نظرون سے پوشیدہ گھات مین لگا رہا۔ بہت دن نہ گذرے تھے کہ میر یونس جال مین الجھا ہوا، ہاتھ پاؤن مارتے اور دم توڑتے دکھائی دیا، اس طرح پنجاب پر اپنا تسلط جما کر ہمایون کو باور کرایا کہ وہ کوئی بُرا ارادہ نہین رکھتا، ہمایون نے مصلحت وقت سمجھ کر اس کو کابل، قندھار اور پنجاب کا گورنر تسلیم کرلیا عسکری سے بدظن ہو کر قندھار کا علاقہ اس سے چھین لیا اور بابر کے وفادار سپہ سالار خواجہ کلان بیگ کو حاکم مقرر کیا، سام مرزا جو موقع کی تاک مین تھا قندھار پر حملہ آور ہوا اور آٹھ مہینے تک قلعہ کو گھیرے رکھا، کامران ایک کثیر فوج لے کر خود آگے بڑھا اور سام مرزا کو شکست دی ابھی پنجاب واپس ہوا ہی تھا کہ سام مرزا کے بھائی نے یورش کی اور باوجود کلان بیگ کی کوشش کے قبضہ کر ہی لیا، حکومت کا انتظام امراء کے سپرد کر کے خود عراق کا رخ کیا، کامران نے موقع سے فائدہ اُٹھایا اور

قندھار کو دشمنوں سے چھین لیا،

سنہ ۱۵۳۶ء مین ھمایون شیر خان کی بغاوت فرو کرنے کے تجاویز عمل مین لا ہی رہا تھا کہ مرزا ھندال نے جو بابر کا چوتھا لڑکا تھا کوتہ اندیش مشیروں کے مشورے سے شہنشاہ کے خلاف جھنڈا بلند کیا، مرزا کامران کو قندھار سے لوٹتے ہوئے ان بغاوتوں کا علم ہوا، آگرے پر چھاپہ مارنے کے خیال سے اسنے اپنی فوج کا رخ پھیرا، ھندال یہ خبر سنکر الور مین پناہ گزین ہوا، ہمایون بغاوتوں سے تنگ آکر اور شیر خان سے شکست کھا کر مرزا عسکری اور مٹھی بھر سپاہیون کے ساتھ آگرہ پہنچا، خلاف توقع وہ ھندال سے گرمجوشی کے ساتھ بغلگیر ہوا اور اس کی خطاؤن کو درگذر کیا، معاہدہ کی رو سے طے پایا کہ سب بھائی متفق ہوکر باغیون کے سرغنہ شیر خان کا قلع قمع کرین اسی اثنا مین کامران سخت علیل ہوا اور ایک دستہ سپاہیون کا سکندر کی کمان مین چھوڑ کر لاہور چل دیا،

وہ جنگ جس نے مغلون سے تاج چھین کر پھر افغان سردار کے سر پر رکھا اور جس نے ہمایون کو بےخانمان کیا تاریخ مین یادگار ہے، ہمایون شہنشاہ کی طرح نہین بلکہ ایک مفرور قیدی ایک معزول بادشاہ اور ایک شکستہ حال انسان کے مانند جس کا سر سایۂ رحمت چاہتا ہو جس کا دل سچی ہمدردی ڈھونڈھتا ہو اور جس کی آنکھین مونس و غمگسار کی تلاش مین ہون لاہور کی طرف آیا، لیکن یہ معلوم کرکے کہ بھائی نے طوطا چشمی کی اس کے خرمن امید پر بجلی گر پڑی مجبوراً قندھار کی طرف چل پڑا اور بہ ہزار دقت کچھ سپاہیون کو جمع کرکے ہمت مردانہ سے کام لے کر کابل پر حملہ آور ہوا، کامران بھی ایک کثیر لشکر کے ساتھ میدان مین نکلا، لیکن خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ سپاہی کامران کا ساتھ چھوڑ کر جوق در جوق ہمایون کے ہمراہیون کی تعداد بڑھانے لگے، اپنی فوج کی اس کارستانی سے کامران کی کمر ٹوٹ گئی اور اس نے فوراً معاہدہ کی ٹھان لی، ہمایون نے معاہدہ منظور کرتے ہوئے باج گذاری کی شرط عائد کی یہ شرط ناقابل قبول تھی، کامران پہلے قلعہ مین بند ہوا پھر گجرات کی طرف فرار ہوا اور آخر غزنی مین اپنے خسر کے پاس پناہ گزین ہوا، جب ہمایون بدخشان مین سلیمان مرزا سے برسرپیکار تھا کامران نے اپنی منتشر فوج جمع کرکے کابل پر حملہ کردیا، یہ خبر وحشت سن کر ہمایون لوٹا، کامران نے بھی فوج روانہ کی لیکن شکست نصیب ہوئی، سپہ سالار قید کر لیا گیا اور مار ڈالا گیا، یہ حالات دیکھ کر لوگ کامران کا ساتھ چھوڑ کر شہنشاہ کے ہمرکاب ہوگئے، کامران نے دیکھا کہ جز طاعت غیر چارہ نہین تو صلح کی درخواست کی، شہنشاہ نے حاضر دربار ہونے کو کہا مگر کامران کی ہمت نہ ہوئی ہمایون قلعہ کابل کا محاصرہ کرنے کے لیے آگے بڑھا یہ دیکھ کر چغتائی قبیلے کے بعض سرداروں نے کامران کو مشورہ دیا کہ قلعہ بے چون و چرا حوالے کردے، ایک رات کامران نے بہت سے باغیون کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور خود لوگون کی آنکھ بچا کر رفوچکر ہوا، ہمایون نے تعاقب کے لیے حاجی محمد خان کو روانہ کیا، اس آفت سے بچا ہی تھا کہ پہاڑ کے دامن مین ایک وحشی قبیلے نے آگھیرا، بہزار خرابی غنیم کے چنگل سے نکل کر شیر علی کے یہان پناہ گزین ہوا، یہان کے لوگون نے اس سے

ہمدردی ظاہر کی اور تھوڑے ہی عرصے مین رفقا کی تعداد کافی ہوگئی، کامران بلخ سے ہوتا ہوا بدخشان پہونچا یہان نہ صرف خیر مقدم ہی کیا گیا بلکہ آس پاس کے سردارون نے باہم مشورے کے بعد طے کر لیا کہ بدخشان کی عنان حکومت کامران کے ہاتھون مین دینی چاہیے، جاسوسون نے ہمایون کو اندیشہ سے آگاہ کیا تو وہ بہ نفس نفیس ہزارون کا لشکر ہمراہ رکاب لیے گردونما تا ہوا مقابلے کے لیے میدان مین آنکلا، کثرت سپاہ اور شاہی رعب و داب نے کامرانکا دل دہلا دیا لڑنے کی تاب باقی نہ رہی اور رطاعت کا طوق گلے مین ڈالنے پر راضی ہو گیا، ساتھ ہی معروضہ پیش کیا کہ اسکو مکہ معظمہ چلے جانے کی اجازت دے دی جاے، ہمایون نے استدعا قبول کی اور حکم دیا کہ باغی سردارون کو اسکے حوالہ کر دیا جاے، کامران نے شرط منظور کر لی لیکن سردار جب قیدیون کی طرح دربار مین حاضر کیے گئے تو ہمایون کے دلمین رحم وکرم کا دریا موج زن ہوا اور اس نے سب کی خطائین معاف کر دین یہ دیکھ کر کامران نہایت شرمندہ ہوا اور اپنے کیے پر لعنت ملامت کرنے لگا، نادم و شرمسار وہ دربار مین حاضر ہوا، ہمایون شفقت برادری سے مجبور ہو کر اٹھا اور بھائی کو گلے لگا لیا،

تھوڑے دنون بعد کامران کو قلاب کا علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا، جب ہمایون کابل چھوڑ کر بلخ کی بغاوتین فرو کرنے کے ارادے سے نکلا تو اس نے کامران اور عسکری کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا لیکن دونون بھائیون نے پھر بغاوت کی اور ہمراہ رکاب چلنے سے عذر کیا، ہمایون نے مرزا سلیمان اور مرزا ابراہیم کو روانہ کیا، کامران نے جب سنا کہ ایک زبردست فوج مقابلے کے لیے آرہی ہے تو فرار ہو جانا مناسب سمجھا اسی اثنا مین ہمایون کے بعض سردارون نے جو باغیانہ خیالات دماغون مین ایک زمانے سے پرورش کر رہے تھے کامران کو لکھا کہ وہ اس کی مدد کے لیے ہر طرح سے تیار رہین اور ہونے والی جنگ مین وہ سب ہمایون کا ساتھ چھوڑ کر اس کی رفاقت کرینگے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر کامران نے پھر کمرِ ہمت چست باندھ لی، ہمایون نے فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ مین لی گھمسان کی لڑائی ہوئی جس مین ہمایون شدید زخم کھا کر خیمہ گاہ کی طرف لوٹا بس سارے سپاہیون کے دل بیٹھ گئے اور وہ جی چرا چرا کر پیچھے ہٹنے لگے، آخر ساری فوج پسپا ہو گئی اور دوبارہ کابل کامران کے قبضے مین آگیا،

کچھ عرصے بعد ہمایون نے اپنی منتشر قوت پھر جمع کی، سلیمان، ابراہیم اور ہندال مرزا اکٹھے ہوے اور کابل کے ارادے سے چل پڑے، کامران بھی شہر سے باہر نکلا ایک معرکۃ الآرا جنگ اور کامران کے حق مین فیصلہ کن شکست ہوئی کامران کو میدان چھوڑنا پڑا لیکن اس نے جلد ہی سندھ مین ایک گوشۂ عافیت تلاش کر لیا، بہت جلد وہ اپنی بیچین طبیعت کے ہاتھون تنگ آکر افغانون کے مشورے کو اہمیت دینے لگا، اور جب حاجی محمد خان نے مدد کرنے کا وعدہ کیا تو پھر اسکے سر مین بغاوت کا سودا سمایا لیکن قبل اس کے کہ خیالی منصوبے عملی رنگ مین رونما ہوتے بیرم خان نے حاجی محمد کو جا لیا اور اس کو نظر بند کر کے کابل کی طرف روانہ کیا، عسکری کو بلخ جانے کے لیے مجبور کیا گیا، پھر بھی کامران نے ایک آخری کوشش کی

مگر دہی شکست قسمت مین لکھی تھی، کامران امن و سکون کی تلاش مین تھا اور بعض خان اس کی طبیعت سے بیزار تھے، سلیم شاہ کے سپاہیون نے اسے گرفتار کر لیا اور ایک تیرہ و تار قید خانے مین بند کیا، جان پر کھیل کر ایک رات بھاگ نکلا، اور راے ہند و راجاؤن کے دامن تلے پناہ لینی چاہی مگر وہ سب ہمایون کی تلوار سے خائف تھے اسلیے کنارہ کشی اختیار کی مانکوٹ کے قریب دشمنون نے اس کو آلیا اور قریب تھا کہ گرفتار کر لیتے مگر کامران نے یہان بھی ان کی آنکھون مین مٹی جھونکی زنانہ لباس زیب تن کیے نکلا اور رہزارون کی آنکھون کے آگے سے صاف بچکر نکل گیا، مگر بکرے کی مان کبتک خیر منا تی آخر سیال کوٹ پہنچا ہی تھا کہ گرفتار ہو کر ہمایون کے دربار مین کشان کشان لایا گیا،

"اُمرائے وقت، حکام زمان، روسائے شہر اور افسران خیر خواہ سبھون نے ہم زبان ہو کر عرض کیا محبت برادرانہ اور دنیاوی مراسم کو حکومت کے معاملات مین دخیل نہ ہونا چاہیے، اگر جہان پناہ کو بھائی کی پاس داری منظور ہے تو سلطنت سے دست بردار ہو جائین اور اگر شاہی منظور رہی تو شفقت برادرانہ کو بالائے طاق رکھین، وہ جہان پناہ کے بھائی نہین دشمن ہین، سرکشون کی گردن خم کرنا حکومت کی بہبودی اور سلطنت کے استحکام کے لیے ضروری ہے"

ہمایون نے جواب دیا "گو میرا دماغ تمھارے پیش کردہ اصول کو ماننے کیلیے تیار ہے لیکن کیا کرون دل پر اختیار نہین"

اُمراء کے جبر سے ہمایون کو ان کی تجویز ماننی پڑی اور اس نے سید محمد کو حکم دیا کہ مرزا کامران اندھے کر دیے جائین محمد سید نے غلام علی سے آنکھین نکال ڈالنے کے لیے کہا غلام علی کامران کے پاس پہنچا اور رسمی تسلی و دلاسہ کے بعد حرف مطلب زبان پر لایا

شہزادے نے یہ خبر سن کر کہا "اندھا کر کے چھوڑ دینے سے تو بہتر ہے کہ تم مجھے قتل ہی کر ڈالو" لیکن غلام علی نے جواب دیا "ہم حکم شاہی کے آگے نہین بڑھ سکتے"

اسکے بعد غلام علی نے شہزادے کے منھ مین کپڑا ٹھونسا اور خیمے سے باہر لاکر زمین پر لٹایا، تقریباً پچاس مرتبہ نشتر اس کی آنکھون مین چبھویا گیا، کامران نے انتہائی صبر و استقلال سے کام لیا اور اُف تک نہ کی۔ لیکن جب جلاد نے لیمو کا رس اور نمک کا پانی اس کی زخمی آنکھون مین ڈالا تو ضبط نہ ہو سکا۔ وہ چلایا،

"اے خدا! اے میرے خدا!! جو کچھ مین نے گناہ کیے تھے ان کی سزا اسی دنیا مین بھگت رہا ہون!! اب دوسری دنیا مین میرے حال زار پر رحم کر!"

"نیشتر" اور "چشم پوشید ز بیداد بہتر" سے تاریخ نکلتی ہے، اندھے شہزادے نے مکہ کی راہ لی جہان وہ چار سال بعد

۱۱ ذیحجہ ۹۶۴ھ مین مر گیا، ع بگو شاہ محردم در مکہ ماند۔ مین "بگو" کا لفظ چھوڑ کر تاریخ نکلتی ہے، مولانا قاسم کاہی نے حسب ذیل تاریخ کہی :۔

کامران آن کہ بادشاہی را کس نبود ست ہمچو او در خورد
شد ز کابل بکعبہ و آنجا جان بحق داد و تن بخاک سپرد
گفت تاریخ او چنین کاہی
بادشا کامران بہ کعبہ برد

کامران نے ایک لڑکا اپنی یادگار چھوڑا، اس کا نام ابوالقاسم مرزا اور تخلص شوکتی تھا۔ ۹۷۴ھ مین اکبر کے حکم سے گوالیار کے قلعہ مین قتل کر دیا گیا جہان وہ قید تھا، اس کی وفات کی تاریخ کسی نے یون کہی :۔

نماند از کامران نام و نشانے

(۲)

اب ہم مرزا کامران کی شاعری کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔ آج کی صحبت مین ہم دیوان کے اس قلمی نسخہ کا ذکر کرین گے جو پٹنہ لائبریری مین محفوظ ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ کامران کے آخری دردناک لمحون کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہندوستان مین یہی ایک نسخہ باقی رہ گیا ہے، اس لیے اس کی قدر و قیمت بے اندازہ ہے۔

اس نسخہ پر جہانگیر، نور جہان، شاہجہان اور بہت سے اُمراء دُرباری کی مہرین ثبت ہین اور تحریرین دیدہ زیب ہین اس کا کاتب خواجہ محمود بن اسحٰق شہابی ہے جو خوشنویسی مین شہرۂ آفاق میر علی کا بہترین شاگرد سمجھا جاتا ہے مرأت العالم کے مطابق خواجہ محمود میر علی کا شاگرد تھا، اس کا خط میر علی سے اس قدر ملتا جلتا تھا کہ بعض دفعہ اپنی تحریر کو میر علی کے نام سے منسوب کر دیتا تھا، ملاحظہ ہو مرأت العالم :۔

خواجہ محمود آن کہ یک چندے بود شاگرد این حقیر فقیر
بہ تعلیم او دلم خون شد تا خطش یافت صورت تحریر
در حق او نہ رفتہ تقصیرے لیکش او ہم نمی کند تقصیر
مینویسد ہر آنچہ از بد و نیک جملہ را می کند بنام فقیر

دیوان غزلیات، قطعات، رباعیات، فرد اور مثنویون پر مشتمل ہے لیکن ترتیب مین نقص یہ ہے کہ فارسی اور ترکی کلام ساتھ ہی ساتھ جمع کر دیا گیا ہے،

الف کی ردیف مین کل چھ غزلیات ہین پہلے چار فارسی ہین اور بعد کے دو ترکی، پہلی غزل کے تین شعر ملاحظہ ہون

چون بمقصود نشد ہیچکسے رہبر ما — بعد ازین خاکِ درِ پیر مغان و سر ما
کارِ ما چون ز درِ بستہ زاہد نکشود — بو کزین پس نہ خرابات کشاید در ما
بارگی مست و شب تیرہ و رہزن بکمین — وائے گر ہادیٔ لطفت نہ شود رہبرِ ما

دوسری غزل کا مطلع ہے

حسن تو دمبدم افزون بادا — طالعت فرخ و میمون بادا

اکبر نامہ مین لکھا ہے کہ جب ہمایون نے کابل قندھار اور پنجاب کے علاقہ کامران کو بطور جاگیر کے عطا کیے تو اسنے شہنشاہ کی تعریف و توصیف مین یہ غزل کہکر شکرانہ ادا کیا، ہفت اقلیم کا مصنف بھی اس کا ذکر کرتے ہوے لکھتا ہے کہ ہمایون اس قدر خوش ہوا کہ حصار فیروزہ انعام مین عطا کیا،

تیسری غزل کا مطلع کہا ہے۔

با رقیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را — یارب آسان کن بمن این حالتِ دشوار را

اسکے بعد حافظ کی غزل پر تضمین کہی ہے، پہلا بند ملاحظہ ہو:۔

اے کافرِ میخوارۂ بے باک خدارا — رحمے بکن این سوختۂ بے سروپا را
از اشک چو شبنم دلِ تو نرم نگردد — سیمین ذقنا سنگ دلا لالہ عذارا
دارم طمع گوشۂ چشمے ز تو یعنی — خوش کن بہ نگاہے دلِ غم پرورِ ما را

پانچوین اور چھٹی غزل ترکی مین ہے،

ب کی ردیف مین چھ غزلیات ہین جن مین صرف پہلی فارسی مین ہے اور باقی پانچ ترکی مین۔

پہلی غزل کا مطلع ہے

بے تو نایاب شد از ملک دلم طاقت و تاب — خسروِ عالم جانی و جہان از تو خراب

ت کی ردیف مین چھ غزلیات ہین جن مین پہلی اور آخری ترکی مین ہے اور باقی فارسی مین

دوسری کا مطلع کہا ہے

باز دامان خود آن سرو بالا زدہ است — کس بدامانش مگر دستِ تمنا زدہ است

تیسری کا مطلع ہے،

حلقۂ زلفِ پریشانِ تو بے چیزے نیست — غمزۂ نرگسِ فتانِ تو بے چیزے نیست

چوتھی کا مطلع ہے،

آسودگی خستہ دلان از ستمِ اوست — خوشحالیٔ ماتم زدگان از الم اوست

پانچوین غزل کا مطلع ملاحظہ ہو،

گر زتو چاک است دلم باک نیست　　نیست دلے کز غم تو چاک نیست

ردیف و مین سات غزلیات ہین جن مین صرف ایک ہی (پہلی) ترکی، دوسری غزل مین چار شعر ہین

سنبل و گل در بہار عارضت باہم دمید　　کس بہار این چنین در گلشن ندید

تیسری غزل مین تین شعر ہین۔

رسید مژدہ کہ ایام وصل یار آمد　　گذشت فصل دی و موسم بہار آمد

چوتھی مین صرف دو حسب ذیل شعر ہین۔

تا این دلِ شیدائی در قید جنون افتاد　　ہر راز کہ نہفتم از پردہ برون افتاد
بیمارِ غم ہجران در بزم وصال تو　　مشکل کہ رسد روزے زمینان کہ زبون افتاد

پانچوین غزل کا مطلع ہے

ز رخسار و قدت شدم بہرہ مند　　زہے طالع سعد و بختِ بلند

چھٹی کا مطلع ہے

چشم بر راہِ تو داریم شد ایامے چند　　وقت آن شد کہ نہی جانب ما گامے چند

اور ساتوین کا

چیست دنیا بناے بے بنیاد　　چیست گردون مدارست نہاز

ر، ز اور ق، کی ردیفون مین بالترتیب سات دو اور ایک غزل ہے لیکن سب کا سب ترکی زبان مین ہے
ک کی ردیف مین سات غزلیات ہین صرف ایک (پہلی) فارسی مین ہے اس غزل مین صرف تین ہی حسب ذیل
شعر ہین۔

اے جہان از تو ہویدا و تو از عالم پاک　　ہست در معرفت ذات تو عاجز ادراک
دست در جل متین کرمت خواہم زد　　روز محشر کہ سر خویش بدارم از خاک
شعلہ شمع در دلم بجہان آتش زد　　منکہ از سوز درون آہ زدم آتشناک

ل کی ردیف مین ایک پہلی ترکی اور دو فارسی غزلین ہین۔ پہلی فارسی غزل مطلع ہے

بکام غیر شد لعل وے اے دل　　شد آب زندگانی زہر قاتل

اور مقطع۔

غمت را کامران در دل نہفتہ　　کہ باشد گنج را ویرانہ منزل

دوسری غزل کا مطلع کہا ہے۔

مرا چون کوہ در رہے از تو بر دل — چہ سان بار سفر بندم بہ محمل

م کی ردیف مین کل دو غزلین ہین پہلی فارسی مین دوسری ترکی مین۔ فارسی غزل کا مطلع ہے

کند سیل غم ہجران تو از بنیادم — نظرے کن کہ براہ تو ز پا افتادم

سات غزلیات نون کی ردیف مین ہین شروع کے چار ترکی مین ہین اور آخر کے تین فارسی مین۔ پہلی فارسی غزل مین حسب ذیل تین شعر ہین۔

اے قد رعنائے تو سرو گلستان حسن — روئے دلارائے تو لالۂ بستان حسن
روے خوش مہوشت تازہ گل باغ لطف — سرو قد دلکشت نخل گلستان حسن
شمس و قمر را نماند ماہ رخا رونقے — تا تو برآوردہ سر ز گریبان حسن

دوسری مین دو یہ ہین

رفتہ رقیب از درت کم شدہ اندوہ من — حمد خداوند را اذہب عنا الحزن
باز زلیخائے شب موے سیہ را کشاد — زانکہ بچاہ اوفتاد یوسف گل پیرہن

اور تیسری غزل مین تین شعر ہین:۔

ببالا بلائی بچشم آفت دین — برخ مہ لقائی بقد سرو سیمین
بہر رشتۂ عیش آید بدستم — بدستم اگر افتد، آن زلف مشکین
بگفتم گدائے توام، خندہ زد گفت — گدا را چہ نسبت بود با سلاطین

د کی ردیف مین صرف ایک غزل ہے اور وہ بھی ترکی مین۔

ی کی ردیف مین نو غزلیات ہین جن مین پہلی چھ ترکی مین اور آخری تین فارسی مین پہلی اور دوسری فارسی غزل کے مطلع بالترتیب ذیل مین ہین،

زہی سان کہ جمال خود آراستہ می آئی — در زہد شکست آری در عشق بیفزائی
زہے بزلف و رخت صد ہزار زیبائی — ہزار شوق ز تو در دل تماشائی

اس کے بعد فردیات درج ہین جو دو طریقون پر تقسیم کیے گئے ہین، پہلے ابیات فرد مطلع ہین جن کی تعداد تیس ہے ان مین صرف انیس فارسی ہین۔ پہلے دو ملاحظہ ہون۔

اے شدہ خاک درت در نظرم توتیا — رفت صبوری برخت بے تو بباد ہوا
دوش دیدم با رقیبان ہمنشین دلدار را — چون برون آرم ز خاطر اینچنین آزار را

دوسری قسم میں "ابیات فرد غیر مطلع" ہیں، دس ترکی میں ہیں اور چار فارسی میں، پہلی اور آخری فارسی بیت حسب ذیل ہیں:-

گر بپوشیدے رخش را زلفِ شبگون کے شکر — این چنین روزِ سیاہ و حالتِ درہم مرا

پیشِ قدِ تو بنفشہ با ہمہ شرمندگی — تکیہ بر گل کردہ و بہرِ ادب برخاستہ

اب قطعات شروع ہوتے ہیں ان میں تین ترکی میں ہیں اور تین فارسی میں ہم صرف فارسی قطعات نقل کرتے ہیں

اے برادر زمن شنو سخنے — کہ از آن بہرہ در شوی شاید
دل بکارِ جہان منہ کہ ازان — بارِ غم بر دلِ تو افزاید
کارِ عقبےٰ بساز ورنہ ترا — کار و بارِ جہان چہ کار آید

اے کہ در شیوۂ خلاف سخن — شہرہ شد در جہان فسانۂ تو
تاکنون بر خلافِ عہد اگر — بعد ما از تو شد بہانۂ تو
این زمان ہم خلاف میگوئی — آزمودیم ہم بخانۂ تو

اے آنکہ بہرِ محفل و مجلس بہمہ کس — با سینۂ پُر کین رُخ پر چین بدر آئی
گفتی کہ گرفت ست دل از خانۂ عمرم — وقت ست کزین خانۂ پُر کین بدر آئی

رباعیات ہیں تو کل بیس مگر سوائے چار کے سب ترکی میں ہیں منجملہ ان کے تین رباعیاں درج ذیل ہیں

در آرزوے قدِ تو دالی گشتم — از فکرِ دو ابرویت ہلالے گشتم
اندر ہوسِ لب و میانت جانا — القصّہ من خستہ خیالے گشتم

اے باد بآن یار سلامم برسان — در خلوتِ وصل او پیامم برسان
ہر صبح و صال و شام زلفش بگذر — یعنی کہ دعاے صبح و شامم برسان

یارب ز کرم درے بر ویم بکشاے — زنگِ غیر از دل حزینم بزداے
پیوند من از جملہ علائق بگسل — از ہر دو جہان سوئے خودم راہنماے

اٹھارہ مثنویات ہیں یوں تو ہیں سب چھوٹی چھوٹی لیکن چار جو فارسی میں ہیں پانچ پانچ چھ چھ شعر پر ختم ہو جاتی ہیں پہلی فارسی مثنوی یوں شروع ہوتی ہے

سخن پرداز این شیرین حکایت ۔۔۔ چنین کرد از کہن پیران روایت

زلیخا کز مہ کنعان جدا ماند ۔۔۔ بہ محنتہائے دوری مبتلا ماند

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی کہتے وقت کامران کے پیش نظر جامی کی شہرۂ آفاق مثنوی یوسف زلیخا تھی اور وہ اس میں اس قدر کھو گیا تھا کہ جامی کے دو مختلف مصرعوں کو ایک جگہ کرکے اپنی مثنوی کی ابتدا کرتا ہے، جامی ایک جگہ کہتا ہے

سخن پرداز این شیرین فسانہ ۔۔۔ چنین آرد فسانہ در میانہ

دوسری جگہ ہمیں یہ شعر نظر آتا ہے۔

چمن پیرائے این باغ حکایت ۔۔۔ چنین کرد از کہن پیران روایت

ملاحظہ ہو پہلے مصرع میں فسانہ کی جگہ "حکایت" ہے لیکن دوسرا تو بجنسہ جامی کا ہے اس سے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کامران پر سرقہ کا الزام عائد کیا جائے بلکہ قیاس گذرتا ہے کہ کامران بھی یوسف زلیخا کی طرز پر ایک بلند پایہ مثنوی کہنا چاہتا تھا، لیکن یا تو یہ سمجھ کر کہ جامی کا مقابلہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے خیال ترک کر دیا یا سیاسی جد و جہد نے طبع آزمائی کرنے کا موقع ہی نہ دیا ہو۔

دوسری مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے۔

تا چہ سازد جہانِ بے سروبن ۔۔۔ غافل از مکر آسمان کہن

رفت کارم ز دست و دست از کار ۔۔۔ نیست کارم بغیر نالۂ و زار

تیسری کی ابتدا یوں ہوئی۔

سرِ نو خم شدہ ابر ویت ۔۔۔ لالہ خونین جگری از رویت

گل ز دستِ تو گریبان زدہ چاک ۔۔۔ بے تو انداختہ خود را بر خاک

اس کے بعد ساقی نامہ شروع ہوتا ہے جس کے جملہ نو شعر ہیں۔ شروع کے دو شعر ملاحظہ ہوں

بیا ساقی آن مے کہ جان پرور است ۔۔۔ کہ جانِ حزینِ مرا درخور است

بمن دہ کہ دوران بکینِ من است ۔۔۔ پئے قصدِ جانِ حزینِ من است

دیوان نثر کے چند جملوں پر ختم ہوتا ہے جو ترکی میں ہیں، کاتب کے نام کے ساتھ حسب ذیل عبارت درج ہے

تمت دیوان حضرت الاعلیٰ حفظہ اللہ تعالیٰ عن الآفات والبلایا علی ید العبد الضعیف محمود بن اسحٰق الشہابی الہروی علی طریق الاستعجال ....."

ہم شروع مین ذکر کر چکے ہین کہ اس نسخۂ نایاب پر جہانگیر، نورالنساء اور شاہ جہان کی تحریرین خود ان کے خط مین موجود ہین، اب ہم چاہتے ہین کہ انکی تحریرین بجنسہ نقل کر کے مضمون ختم کر دین۔ جہانگیر لکھتا ہے۔

اللہ اکبر

دیوان مرزا کامران کہ عم پدر بزرگوار ست بخط محمود اسحٰق سہابی۔ حررہ نورالدین محمد جہانگیر شاہ اکبر

سنہ جلوس موافق سنہ ۱۰۲۳

اس کے سیدھی جانب شاہ جہان لکھتا ہے:۔

ھو

الحمد للہ الذی انزل علے عبدہ الکتاب حررہ شاہجہان ابن جہانگیر ابن اکبر شاہ

ذیل کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان نورالنساء بیگم کے بھی قبضے مین رہا، ملاحظہ ہو

قیمت اموال نواب نورالنساء بیگم

مُہر

سید بادشاہ حسن حیدر آبادی

اطلاعنامہ بنام دائنان نسبت تعیین تاریخ سماعت درخواست دیوالہ

دفعہ ۹ ایکٹ نمبرہ سنہ ۱۹۲۰ء

درخواست دیوالہ نمبر ۸ سنہ ۱۹۳۱ء

موضع بنھوان پرگنہ حسام پور

بعدالت جناب سب جج صاحب بہادر اول بہرائچ مقام بہرائچ

بمقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی رامدیال ولد گنگا دین مراؤ ساکن

بنام حسین خان وغیرہ

ہرگاہ مسمی رامدیال سائل نے عدالت ہذا مین بذریعہ عرضی مورخہ ۴ رماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبرہ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور تمہارا نام فہرست دائنان مین جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۱۲ رماہ اگست سنہ ۱۹۳۱ء واسطے سماعت درخواست مذکور الصدر اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے اگر تم کچھ اس معاملہ مین پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعۂ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو حاضر ہو۔

آج بتاریخ ۱۱ رماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

وقتِ حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے شام تک

بابُ الاِستفسار

مولویہ

(جناب رضا علیخانصاحب رامپور)

مولویون کا ذکر تو نگار مین اکثر رہتا ہے لیکن کبھی اس مولویہ طبقے کا بھی تو ذکر فرمائیے جو صوفیہ مین شمار ہوتا ہے اگر زحمت نہ ہو تو مطلع کیجیے کہ یہ جماعت کب قائم ہوئی اور اس کے کیا اصول ہین ۔

(نگار) یہ جماعت منسوب ہے جلال الدین رومی سے جنھین مولوی اور مولانا کا لقب خود ان کے والد نے عطا کیا تھا، مناقب العارفین مین لکھا ہے کہ ان کے تبعین خود اپنے آپ کو بھی اسی نسبت سے مولوی کہتے تھے اور سنہ ۴۰۶ھ سے سنہ ۶۰۴ھ تک جتنی نقلین مثنوی کی نظر آتی ہین ان سب مین نقل کرنے والون نے بھی اپنے آپ کو مولوی لکھا ہے ۔ ابن بطوطہ جو اس زمانے کے بعد قونیہ پہونچا تھا لکھتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو جلالیہ کہتے تھے اور مناقب العارفین مین جو ان کو مولوی کے لقب سے یاد کیا ہے وہ صرف احترام علمی کے لحاظ سے نہ اس حیثیت سے کہ وہ جلال الدین رومی کے تبع تھے"۔ مناقب العارفین مین لکھا ہے کہ ایک شخص بدرالدین گوہر طاش نے ایک کالج قونیہ مین جلال الدین کے والد کے لیے تعمیر کرایا تھا جو بعد کو جلال الدین کے قبضے مین آیا اور اس طرح ایک اسکول مولویہ جماعت کا قائم ہوا ۔

اس جماعت کا رقص خاص چیز ہے اور اہل مغرب "رقاص جماعت" ہی کے نام سے ان کو موسوم کرتے ہین یہ لوگ داہنے پاؤن پر کھڑے ہو کر ساز کی آواز اور ڈھول کے تال سم کے ساتھ چارون طرف گھومتے اور رقص کرتے تھے، ہر چند جلال الدین رومی کے زمانے سے قبل بھی صوفیہ مین رقص کی عادت پائی جاتی ہے ۔ لیکن جلال الدین رومی نے اس کو زیادہ اہمیت دی اور اس کا سبب مناقب العارفین نے یہ بیان کیا ہے کہ

ایشیائے کوچک کے لوگ لہو ولعب کے زیادہ شائق تھے اسلیے انکو متوجہ کرنے کے لیے جلال الدین رومی نے رقص وسرود کو زیادہ اہمیت دی،

مناقب مین زمانہ ماقبل کے صوفیہ (مثلاً جنید بسطامی، منصور حلاج وغیرہ) کا ذکر نہایت عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے لیکن عہد رومی کے صوفیہ کو یا تو نظر انداز کر دیا ہے یا کافی احترام سے کام نہین لیا، چنانچہ شیخ عبد القادر جیلانی کا ذکر ہی نہین کیا اور محی الدین ابن عربی اور رفاعی کے لیے اچھے الفاظ استعمال نہین کیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولویہ جماعت نے ایک خاص مسلک اختیار کر کے اپنے اصول کی تبلیغ مین جائز و ناجائز ہر طرح کے پروپگنڈے سے کام لیا اور اسی کا اثر تھا کہ بعد کو بکطاشی جماعت کے ساتھ بہت زیادہ مخالفت پیدا ہو گئی۔

جہان تک اصول کا تعلق ہے اس جماعت کے خیالات یقیناً پاکیزہ تھے کیونکہ مذہبی تقشف اُن مین بہت کم تھا، اور اسی لیے اس زمانے کے عیسائیون سے ان کے مراسم بڑی حد تک دوستانہ تھے چونکہ اُن کے مسلک کی بنیاد زیادہ تر فلسفۂ اخلاق پر تھی اس لیے وہ ہر اس شخص کی عزت کرتے تھے جس نے اپنے علم و فضل یا اخلاق سے بنی نوع انسان کی خدمت انجام دی ہے خواہ وہ کسی مذہب یا مسلک کا پیرو رہا ہو۔ چنانچہ وہ مقام قونیہ کی عزت اسی لیے کرتے تھے کہ ان کے نزدیک افلاطون وہین دفن ہوا تھا، اس عہد کے فقہا البتہ اس جماعت کے سخت دشمن تھے کیونکہ وہ رقص وسرود کو حرام کہتے تھے اور یہ اس کے سخت پابند تھے

سرزمین قونیہ سے باہر اس جماعت کی اشاعت رومی کے بیٹے سلطان بہاء الدین کے ذریعہ سے بہت کافی ہوئی اور اس عہد کے بعض فرمانرواؤن پر بھی اس کا اثر ہوا، جب سلطان سلیم اول نے قونیہ پر حملہ کیا تو اس نے شیخ الاسلام کے فتوے کے مطابق مولوی خانہ (یعنی مولویہ جماعت کی خانقاہ) کو مسمار کرا دیا لیکن اس واقعے سے اس جماعت کے اثر مین کوئی کمی پیدا نہین ہوئی بلکہ بعد کو سلاطین ترک مین سے اکثر اس جماعت کے معتقد ہوے اور سب سے زیادہ مولوی خانے سلطنت عثمانیہ ہی مین قائم ہوے۔ بہت ابنی تو بھی بغیر آستینون کا کرتہ، جس پر ایک جاکٹ آستینون والی ہوتی تھی، کمربند اور خرقہ، یہ تھے لوازم لباس اس جماعت کے رقص وسرود کے سلسلے مین زیادہ تر چار ساز استعمال کرتے تھے۔ بانسری، ڈھول، مردنگ، اور تنبورہ قونیہ مین ہر پندرھوین دن نماز جمعہ کے بعد صحبت رقص وسرود قائم ہوا کرتی تھی لیکن قسطنطنیہ مین جہان انکے متعدد تکیے تھے اکثر یہ جلسے ہوتے رہتے تھے۔

اس جماعت کا صدر اعظم جو ملا خنکار، حضرت پیر، اور عزیز افندی کے خطابات سے یاد کیا جاتا تھا قونیہ مین رہتا تھا سنہ ۱۹۱۰ء تک تقریباً ۴۰ آدمی صدر ہو چکے تھے، انکے دکلا و نائبین بھی مختلف مقامات مین رہتے تھے

جو شخص اس حلقے مین داخل ہونا چاہتا تو ایک سو ایک دن تک اسے خادمون کی طرح کام کرنا پڑتا اسکے بعد اسے تکیے کا خاص ملبوس عطا کیا جاتا اور ایک حجرہ مخصوص ہو جاتا۔ یہین رہکر اور ذکر و شغل مین مشغول رہتا تھا یہان تک کہ وہ باقاعدہ حلقہ مین شریک ہونے اور مجلس حال وقال مین حصہ لینے کا اہل ہو جاتا

مصر و ایشیائے کوچک مین اب بھی کہین کہین مولویہ جماعت کے درویش نظر آتے ہین کہین بالکل غیر منظم حالت مین،

سمن تنقیح برائے انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۳۱ء

بعدالت جناب منصف جج صاحب بہادر قیصر گنج ضلع بہرائچ۔

پنڈت رکا مانت پرشاد — مدعی

بنام

دالکا ولد لالتا قوم برہمن ساکن موضع جھالا پرگنہ و ضلع گونڈہ — مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت مالیت ..... کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۵ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۱ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید مین جن گواہون کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے سموع اور فیصل ہوگا

آج بتاریخ ۳ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

دستخط حاکم بخط انگریز — مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر — ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

مطبوعاتِ موصولہ

مسلمانانِ اندلس ایک مختصر رسالہ ہے ۳۲ صفحات کا جسے ملک کے مشہور مورخ مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے مرتب کیا ہے، اس مین ہسپانیہ کی اسلامی تاریخ کو اجمال مگر جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے

ہندوستان کی موجودہ سیاسیات کے لحاظ سے بھی یہ رسالہ دیکھنے کے قابل ہے کیونکہ ہندوستان کے مسلمان آج کل جس نااتفاقی کی لعنت مین مبتلا ہین وہی اسپین مین بھی رونما ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھین ہسپانیہ کو خالی کرکے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجانا پڑا، چونکہ فاضل مصنف کی ہر تاریخی کتاب کامل تفتیش و تحقیق کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے اس کے اظہار کی ضرورت نہین کہ یہ رسالہ تاریخی نقطۂ نظر سے کس حد تک قابل اعتماد ہے یہ کتاب ۲۰ر مین نیجر عبرت نجیب آباد سے مل سکتی ہے۔

نوابِ امیر خان اس رسالے مین بانیٔ ریاست ٹونک کے حالات درج کیے گئے ہین جو انسانی عزم و استقلال کا عجیب و غریب مرقع پیش کرتے ہین، نواب امیر خان نے جس معمولی حالت سے ترقی کرکے ٹونک کو حاصل کیا وہ ہر انسان کے لیے ایک درس ہمت و اقدام ہے، چونکہ نواب امیر خان کے کارنامے مالوہ، پنجاب اور حکومت ہولکر و سندھیا سب سے متعلق ہین اس لیے عہد پیشوا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کے لیے اس کتاب کا دیکھنا ضروری ہے۔ یہ رسالہ بھی مولوی اکبر شاہ خان صاحب نے تحریر کیا ہے۔ ضخامت ۴ جزو ہے۔ قیمت ۵۰ر ملنے کا پتہ وہی نیجر عبرت نجیب آباد۔

قواعدِ مضمون نویسی مولوی محمد مظفر الدین صاحب مدرس مدرسہ تحتانیہ مانوت (حیدر آباد دکن) نے دو جلدون مین بسلسلۂ کتب درسیہ اس کتاب کو تالیف کیا ہے ابتدائی درجے کے طلبہ کے لیے یہ کتاب بہت مفید ہے اور سبقاً سبقاً قواعد کے ماتحت نہایت سلیھے ہوے الفاظ ہین، جملون کا بنانا اور خطوط و عرائض وغیرہ لکھنا بتایا گیا ہے یہ دونون جلدین ۱۱ر مین مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن سے مل سکتی ہین۔

جنگِ انگورہ یہ رسالہ بھی ۴۰ صفحات کا مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی کا تصنیف کیا ہوا ہے اس مین تیمور اور بایزید یلدرم کی اس لڑائی کا حال بتایا گیا ہے جو دنیا کی سب سے بڑی لڑائی سمجھی جاتی ہے

وہ حضرات جو موجودہ جمہوریت انگورہ سے دلچسپی رکھتے ہین ان کیلیے اس کا مطالعہ کسی طرح لطف سے خالی نہین ۸ر مین منیجر عبرت نجیب آباد سے مل سکتی ہے

مبادی نفسیات مولوی شیخ عبدالحمید صاحب شوق بی اے صدر مدرس مدرسۂ وسطانیہ احمد پور (دکن) نے یہ کتاب سائیکالوجی کے مبادیات پر لکھی ہے اور پوری جامعیت کے ساتھ، آخیر مین بعض اصطلاحات فنی کا ترجمہ بھی دے دیا ہے جو فائدے سے خالی نہین۔ ضخامت ۱۹۰ صفحات، قیمت ۸ر ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن۔

محمود گاوان محمد ظہیر الدین صاحب متعلم جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد نے محمود گاوان کے حالات اس رسالہ مین قلمبند کیے ہین تاریخ دکن مین شاید ہی کوئی ایسا مدبر وزیر ہوا ہو جیسا محمود گاوان تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اُسکے حالات علحدہ کتابی صورت مین شایع کیے جاتے، خوشی کی بات ہے کہ محمد ظہیر الدین صاحب نے اس ضرورت کو محسوس کر کے یہ کتاب تالیف کی، اخذ و اقتباس، تفتیش و تحقیق مین کافی محنت و سلیقہ سے کام لیا گیا ہے، محمود گاوان کے مشہور عالم مدرسہ کی بھی تصویر رسالے مین دی گئی ہے اور اس کی قبر کی بھی، یہ کتاب ۸ر مین مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد سے مل سکتی ہے

انگریزی افسانے مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد نے شاہکار افسانے کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے جس کی یہ تیسری جلد ہے قدیم افسانے اور چینی جاپانی افسانے دو جلدین اس سے قبل شایع ہو چکی ہین

انگریزی شاہکار افسانون مین ۱۴ افسانے مختلف مشہور ادیبون کے منتخب کیے گئے ہین اور یقیناً سب کے سب خوب ہین، لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ شاہکار کی حیثیت رکھتے ہین بہت دشوار ہے، کیونکہ ہر شخص کا ذوق پسندیدگی جدا ہوتا ہے اور بالکل ممکن ہے کہ وہی ایک چیز جو کسی کو شاہکار نظر آتی ہے دوسرے کو بالکل ناکارہ نظر آئے اس کی قیمت ۱۲ر کتاب پر درج ہے۔

معلم اسود ڈرامہ ہے جسے اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم۔ اے نے تحریر کیا ہے اور اس مین شک نہین کہ اس وقت تک اردو مین کم ڈرامے ایسے لکھے گئے ہون جو خصوصیات تمثیل کے لحاظ سے مستند و مکمل ہون یہ ڈرامہ پلاٹ، زبان اور نتیجہ ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ڈرامہ نگار قدرت کی طرف سے اس فن کے اختیار کرنے کی اہلیت رکھتے ہین یہ ڈرامہ ۱۲ر مین الامان بکڈپو گلی قاسم جان دہلی سے مل سکتا ہے

مخزن ادب مولوی محمد عبدالشہید صاحب نے درسی کتابون کے سلسلے مین تالیف کی ہے سب سے پہلے خوشنویسی کے طریقے بتائے گئے ہین اور پھر خط شکست پڑھنے کے۔ اس کے بعد بعض مشاہیر کے مضامین نثر و نظم کا انتخاب دیا گیا ہے۔ جس مین کوئی خاص بات نظر نہین آتی۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ نے شائع کیا ہے قیمت کہین درج نہین ہے۔

بس کا روگ بنگال کے مشہور ناول نویس بنکم چندر چٹرجی کے ناول کا ترجمہ ہے جسے فدا علی صاحب ایم اے (ڈھاکہ یونیورسٹی) نے اس دعوے کے ساتھ پیش کیا ہے کہ سارے ہندوستان کی مشترکہ زبان ایسی ہی ہو سکتی ہے، جہان تک پلاٹ اور اصل فسانے کا تعلق ہے اس مین وہی سوقیت وعامیانہ پن نظر آتا ہے جو اکثر بنگالی ناولون مین جنس مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ رہا ترجمہ تو اس مین شک نہین کہ مترجم نے کافی محنت سے کام لیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ ہندوستان کی مشترکہ زبان پیدا کرنے کی کوشش مین بہت سی غلطیان کرنے پر بھی مجبور ہو گئے محاورات اور زبان کی غلطیان تو کثرت سے نظر آتی ہین، یہ ترجمہ ٹائپ مین چھاپا گیا ہے، اور کتابستان الٰہ آباد سے ایک روپے مین ملسکتا ہے۔

البدر مولوی محمد عبدالواسع صاحب پروفیسر حدیث مکتبۂ جامعۂ عثمانی حیدر آباد نے یہ رسالہ غزوۂ بدر کے حالات مین لکھا ہے۔ جس مین روایت و درایت اور فلسفۂ تاریخ کے معیار سے غزوۂ بدر کے حقیقی اسباب پر بحث کی ہے غزوہ بدر کے متعلق مخالفین کا یہ اعتراض ہے کہ اس کی نوعیت بالکل غارت گری کی سی تھی، اس کتاب مین اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ غزوہ بدر بھی حقیقتاً بالکل دفاعی جنگ تھی اور مسلمان مجبور تھے، طباعت وغیرہ نہایت نفیس ہے۔ حجم ۱۲۸ صفحات، قیمت ۸/عہ۔ ملنے کا پتہ، ایس۔ اے باقی اینڈ کو۔ گورکھپور

دیوان حفیظ دو جلدون مین شایع ہوا ہے اور طباعت وکتابت مین کافی اہتمام سے کام لیا گیا ہے حفیظ جونپوری پرگو شاعر تھے اور زیادہ تر لکھنؤ اسکول کے پیرو تھے۔ یہ دونون جلد ۳ روپے مین ایس۔ اے باقی اینڈ کو گورکھپور سے مل سکتی ہین۔

دیوانِ آسی مولانا شاہ عبدالعلیم آسی مرحوم دنیائے شاعری مین خاص شہرت رکھتے ہین اور نگار کے سال اول مین ان کے کلام پر مفصل تبصرہ ہو چکا ہے جناب آسی کا کلام صحیح معنے مین وہ درد وکیف رکھتا ہے جو ایک غزل کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے وہ حضرات جو معیاری رنگ تغزل سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہین ضرور اس کا مطالعہ کرین۔ یہ کتاب بھی ایس۔ اے باقی اینڈ کو گورکھپور سے مل سکتی ہے

ہندوستان کی بہادر عورتین ایوان اشاعت گورکھپور کی شایع کی ہوئی سلسلۂ درسیات کی پہلی کتاب ہے جس مین درگاوتی چاند بی بی، تارابائی، بیتا سنجوگتا، پدمنی اور اہلیہ بائی کے حالات نہایت دلچسپ شگفتہ اور سلیس زبان مین درج کیے گئے ہین، تاریخی حیثیت سے بھی تمام حالات صحیح درست معلوم ہوتے ہین لیکن پدمنی اور علاؤالدین کے واقعہ عشق ومحبت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے

یہ کتاب لڑکون اور لڑکیون دونون کے لیے یکسان مفید ہے اور اس قابل ہے کہ نصاب مین داخل کیجائے آٹھ آنے مین ایوان اشاعت گورکھپور سے مل سکتی ہے۔

بحرِ تبسّم جناب شوکت تھانوی کے مزاحیہ مضامین کا دوسرا مجموعہ جسے نسیم بکڈپو لکھنؤ نے شائع کیا ہے پہلا حصہ موج تبسم اس سے قبل چند ماہ ہوئے شائع ہوا اور ملک مین کافی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا

ہر چند جناب شوکت کے مضامین نگار مین شائع نہین ہوتے لیکن اور رسالون مین اسقدر کثرت سے شائع ہو رہے ہین کہ ان کے انداز تحریر سے حلقۂ نگار بھی یقیناً واقف ہوگا۔ میرا ایک مختصر سا مقدمہ یا تعارف بھی اس مجموعہ کی ابتدا مین شامل ہے اور اس مین کلام نہین کہ بعض بعض مضامین اس مجموعہ کے "ادبیات نگار" کی جان ہین یہ مجموعہ ۲۵۶ صفحات کو محیط ہے اور مجلد دو روپے چھ آنے مین ملتا ہے،

اطلاع بنام ایشان نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ

دفعہ ۱۹ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء
درخواست دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۳۱ء

بعدالت جناب سب جج صاحب بہادر اول مقام بہرائچ
بمقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی بھیردن ولد رکھی قوم کوری ساکن موضع نگاری پرگنہ چردہ ضلع بہرائچ سائل
بنام اودھ رام وغیرہ مہاجنان

ہرگاہ مسمی بھیردن کوری سائل نے عدالت ہذا مین بذریعہ عرضی مورخہ ۲ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشا ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور تمہارا نام فہرست دائنان مین جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہٰذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۱۲ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۱ء واسطے سماعت درخواست مذکورالصدر اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے اگر تم کچھ اس معاملہ مین پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو حاضر ہو،

آج بتاریخ ۱۷ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا،

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر
۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

آئندہ جنوری سنہ ۳۲ء کا نگار

تقریباً دوسو۲ صفحات پر شائع ہوگا

اور

مخصوص ہوگا مطائبات غالب کیلیے، اسوقت تک غالب پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسکی فلسفہ طرازی، معنی آفرینی، علوی خیال بلندی مضمون اور دشوار پسندی سے متعلق تھا لیکن یہ راز ابتک سربستہ ہے کہ غالب کی شہرت و کامیابی کا حقیقی راز ان سب سے علیحدہ صرف اسکی شوخی، شوخ نگاری، بذلہ سنجی، اور مطائبات پسندی میں پنہان ہے جنھوں نے اسکے سارے کلام کو خواہ وہ نثر ہو یا نظم فارسی ہو یا اُردو اک نہایت ہی اچھوتی قسم کی تنقید ملیح (Witty Criticism) میں تبدیل کر دیا ہے

یہ مضمون ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے جس میں برسوں کی محنت و کاوش کے بعد اسکے اردو کلام سے اور اسکی فارسی تصانیف سے اسکے رقعات سے اور تمام ان واقعات و حالات سے جو تذکروں اور خود اسکی تصانیف میں ملتے ہیں غالب کی شوخی و شوخ نگاری پر تمام پہلوؤں سے نہایت ہی مکمل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ غالب کی شہرت و کامیابی کا تنہا راز صرف یہ تھا کہ وہ قدرت کی طرف سے نہایت شوخ و بذلہ سنج طبیعت لے کر آیا تھا اور اس کی ساری زندگی اسکی تمام تصانیف میں یہی وہ رنگ ہے جو تمام شعراء سے اسے ممتاز بناتا ہے۔

سب سے پہلے ایک بسیط مقدمے کے ذریعے سے مثالیں دیدیکر بتایا جائیگا کہ شوخی و ظرافت کی دنیا میں کتنی قسمیں ہیں غالب سے قبل کن کن شعراء نے اسے اختیار کیا، متاخرین میں اس رنگ نے کتنا نوع اختیار کیا اور پھر غالب کے اردو فارسی کلام اور اسکے حالات و کوائفِ زندگی کا استقصاء کر کے بتایا جائیگا کہ غالب حقیقتاً کسقدر دلچسپ انسان تھا اور کیسے کیسے نوادر ادب اور لطائفِ انشاء وہ اپنے بعد چھوڑ گیا ہے۔

یہ کتاب اگر ایک طرف فنِ تنقید کی بہترین مثال ہے تو دوسری طرف ایسا مجموعہ لطائف ہے کہ شاید ہی اس سے بہتر ذریعہ تفریح و دلچسپی کا کوئی اور ہو، یہ تصنیف غالب کے متعلق بالکل اچھوتی چیز ہوگی اور ہر شخص کے ذوق کو آسودہ کرنے والی، وہ حضرات جو غالب کا صحیح مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے اس کتاب کا دیکھنا ایک فریضہ ادب کی حیثیت رکھتا ہے

یہ کتاب صرف نگار کے جنوری نمبر میں شائع ہوگی اور اسلیے اسکے حاصل کرنیکا تنہا ذریعہ یہی ہے کہ نگار کی خریداری کو جاری رکھیے اور آپکے حلقہ احباب میں جو حضرات اس کتاب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں نگار کی خریداری پر آمادہ کیجیے

نیاز

اے چاند!!

(۱)

کوئی موہوم فضا ہے تری دنیا اے چاند؟
یا ہم آغوش ضیا ہے تری دنیا اے چاند؟
کچھ تو معلوم ہو کیا ہے تری دنیا اے چاند؟

(۲)

حسن آمادۂ بیداد وہاں ہے کہ نہیں؟
عشق کو جرأت فریاد وہاں ہے کہ نہیں؟
سچ بتانا، کوئی ناشاد وہاں ہے کہ نہیں؟

(۳)

خواب فرزانگی عقل کی تعبیر ہے کیا؟
اور حق گوئی منصور کی تعزیر ہے کیا؟
ترے معمورے میں انسان کی تقدیر ہے کیا؟

(۴)

زندگی کشمکش غم سے عبارت تو نہیں؟
آرزو نشترِ حرماں کی حکایت تو نہیں؟
جسے دل کہتے ہیں اک شعلۂ حسرت تو نہیں؟

(۵)

کوئی بلبل تو نہیں! دامن گلشن سے جدا!
بوئے گل بھی ہے اسیر و نگہِ نشیمن سے جدا؟
شمع بھی کیا؟ ہے دل افگار نگہ مدفن سے جدا؟

(۶)

محرم داغ دل لالۂ احمر تو نہیں؟
خوں فشاں، چاک گریبانِ گل تر تو نہیں؟
دلِ بلبل کے لیے لذتِ نشتر تو نہیں؟

(۷)

رگ کہسار میں خونِ دلِ فرہاد بھی ہے؟
یادِ شیریں میں لبِ جو کوئی شمشاد بھی ہے؟
قلۂ کوہ سے آئی کوئی فریاد بھی ہے؟

(۸)

محرم گوش ہیں مجنوں کی صدائیں کہ نہیں؟
کسی لیلیٰ میں ہیں لیلیٰ کی وفائیں کہ نہیں؟
گونجتی بھی ہیں محبت کی نوائیں کہ نہیں؟

(۹)

تیرے ویرانوں میں آباد ہیں دیوانے بھی؟
اور مستانوں سے معمور ہیں میخانے بھی؟
میکدوں میں ترے ہیں عشق کے پیمانے بھی؟

(۱۰)

دلِ انسان کو دل آزار ستاتے تو نہیں؟
شمعِ غم خانۂ الفت کو بجھاتے تو نہیں؟
نقش آئینِ محبت کے مٹاتے تو نہیں؟

(۱۱)

تیرے معمورے میں ایسا بھی ہے گوشہ کوئی!
جس میں انسان کو ستائے نہ ستمگر کوئی!
اور نشتر نہ لگائے غمِ دنیا کوئی!

(۱۲)

کاش ایسا ہو تو اے چاند بلا لے مجھکو
ان سکوں بخش فضاؤں میں بسا لے مجھکو
اپنے آغوشِ محبت میں چھپا لے مجھکو

روش صدیقی

دریا

اپنے دامن میں لیے پرجوش ہیجانوں کا شور
ساحلوں سے عالمِ وحشت میں ٹکراتا ہوا
جنگلوں میں آندھیوں سے گفتگو کرتا ہوا
بجلیوں کے ارتعاشِ آگین تبسم پر نثار
چلچلاتی دھوپ کے نازو ادا سہتا ہوا
چاندنی راتوں کے جلووں پر فدا ہوتا ہوا
صبح کے پرنور جلووں کی ضیا سے فیضیاب
سبزہ زاروں کی حسین زلفوں کو سلجھاتا ہوا
سست ملاحوں کی ہمت کو جواں کرتا ہوا
مسکراتا، کھیلتا، ہنستا، مچلتا، جھومتا
قوتِ جہد و عمل کی آگ سینے میں لیے
مضطرب لہروں کے پیچ و تاب کا سرمایہ دار
اپنی رگ رگ میں چھپائے زندگی کی کائنات
شورشِ ہستی سے مل سکتا نہیں کیفِ جمود

تند موجوں کا تلاطم مست طوفانوں کا شور
پتھروں کو پائے استغنا سے ٹھکراتا ہوا
بادلوں کے قہقہوں کی جستجو کرتا ہوا
وادی وادی بدلیوں کے حسن کا آئینہ دار
تلملا کر مضطرب انداز میں بہتا ہوا
شمع رقاصوں کی محفل پر فنا ہوتا ہوا
شام کے خمخانۂ رنگیں کا سرمست و خراب
بے خودی کے کیف میں ہنستا ہوا گاتا ہوا
ناخداؤں سے ذرا اٹکھیلیاں کرتا ہوا
وجد میں آکر کنارے کی جبیں کو چومتا
بادۂ پرجوش دل کے آبگینے میں لیے
مقتضائے سوزِ فطرت سے سراپا اضطرار
کامیابی سے کیے جاتا ہے طے راہِ حیات
اضطرابِ زیست کا پیکر ہے دریا کا وجود

عدم

نگار مفت دیکھیے

جس کی تدبیر یہ ہے کہ پانچ روپے صہ نئی خریدار کا چندہ بھیج کر پانچ روپے صہ کی حسبِ ذیل کتابیں ہم سے مفت لے لیجیے

تذکرہ خندۂ گل للعہ ر — سائنس کے عجائب لعہ ر — جذبات بھاشا ۱۲ ر

رجسٹری کے مصارف آپ کے ذمہ ہوں گے

منیجر نگار

غزلیات

طالب باغپتی

ساون کی پُروائی نے کیا دکھتی چوٹ دکھائی ہے
کیسے آنسو امنڈے ہیں جب یاد تمہاری آئی ہے

آنکھ سے اوجھل ہو کر دل کو اپنی یاد دلائی ہے
دل ہی میں آ بیٹھے ہو یہ اور قیامت ڈھائی ہے

آہیں سرد ہوئی جاتی ہیں تم آئے یا سحر ہوئی؟
چاند کی رنگت پھیکی ہے تاروں پہ اداسی چھائی ہے

اک سناٹا سا طاری ہے چارہ گر کے تڑکے سے
خیر تو ہے! یہ آج مریضِ ہجر نے کیا ٹھہرائی ہے

دنیا کا دستور یہی ہے دل یوں کب تک روئیگا؟
ان اچھی صورت والوں نے کس سے پیت نبھائی ہے

یا دل پہ چیخ اٹھا ہے، بجلی ٹوٹ پڑی تھرّا کر
جب ہم نے اپنی برسی برسائی آنکھ اٹھائی ہے

جسم کے اندر دل کی بے چینی سے یہ معلوم ہوا
ساری چیزیں اپنی ہیں بس اک یہ چیز پرائی ہے

اب مرنا بھی مشکل ہے وہ پوچھ رہے ہیں بالیں پہ
"کس نے ان کو یاد کیا ہے؟ کیسی ہچکی آئی ہے"

تم آخر کیوں کڑھتے ہو، طالب کے رونے دھونے پر
دنیا اس پر ہنستی ہے، سب کہتے ہیں سودائی ہے

خلیق فیض آبادی

عجب کیا ہو یہی تسکین کی صورت امتحاں کر لوں
کسی نامہرباں کو اور بھی نامہرباں کر لوں

ندامت خیز ہے عریانیٔ احساس کا حاصل،
مذاقِ عاشقی کو صورتِ جذبِ نہاں کر لوں

کہیں موسم گل کا باعث وہ نہ سمجھیں میری وحشت کو
بہار آنے سے پہلے جیب و دامن دھجیاں کر لوں

اُٹھیں گِھر کر گھٹائیں بجلیوں نے زور باندھا ہے
چلوں صیاد کے گھر میں بنائے آشیاں کر لوں

خبر دردِ جگر کی ان کو پہنچانی ضروری ہے
نہیں کچھ تو کسی دشمن کو اپنا رازداں کر لوں

خلیق اُس بے وفا کے عہد و پیماں کا بھروسہ کیا
کہو تو یونہی تھوڑی دیر کو دل شادماں کر لوں

احقرؔ بہاروی (مرحوم)

کچھ بات ہی ایسی ہے جس سے دم بھر بھی اُسے آرام نہیں
وہ بزم نہیں وہ لوگ نہیں وہ دورِ مے گلفام نہیں
کر طعن نہ مجھپر اے واعظ ناداں یہ اچھا کام نہیں
پرُخار بہت ہے دشت جنوں اے اہل خرد مجنوں بنتے ہو
دل خانۂ شادی تھا مرا آباد تھی اک دن یہ بستی
قربان کروں کیا چیز ہے یہ ہو دل جو پسندِ جاں نہیں
ہیں عاشقِ زلف روئے صنم بس عشق ہمارا مذہب ہے
آتی ہیں صدائیں کانوں میں ذرات یہی کہتا ہے کوئی
ہے کافر و مومن دیر و حرم اسرار ہیں اس کی حکمت کے
گھبرائے جو بندے محشر میں رحمت نے صدائیں دیں بڑھ کر
پوچھے جو کوئی احوال مرا کچھ ہیچ کی حالت کہہ گذروں
کیا دور ہے کیسی گردش ہے اے چرخ کہن یہ بدعت تو
اے چرخ ستمگر خوب ہمیں رسوائے زمانہ تو کر لے

اب حال تو یہ ہے احقرؔ کا گر صبح رہا تو شام نہیں
پینے میں مزہ اب کیا آئے اک رند قدح آشام نہیں
پہونچے گی کبھی تو آہ مری کچھ عرش بتوں کا نام نہیں
ہٹ جاؤ یہاں سے ناداں تو بحروں کا یہاں کچھ کام نہیں
اب دیکھئے کیا ہو سینے کو اس گھر میں خوشی کا نام نہیں
مفلس کا سمجھ لو مال اس کو کیا دام اسکے کچھ دام نہیں
اب رہتے ہیں ہم جس منزل میں اُن کو نہیں اسلام نہیں
چلنے کیلیے تیار رہو رہنے کا یہاں کچھ کام نہیں
جو واقف ہے وہ واقف ہے ہیں خاص یہ باتیں عام نہیں
لکھے سے ملا کر دیکھا ہے تم لوگوں پہ کچھ الزام نہیں
ایسا ہی فسانہ ہے جس کا آغاز نہیں انجام نہیں
اغیار کو بخشے خم ساقی، یاروں کیلیے اک جام نہیں
ہم عشق کے بندے ہیں ہمکو اندیشۂ ننگ و نام نہیں

دن آ گئے مرنے کے لیکن دل میں ہے ہوسناکی اب تک
اندھیر یہ کیسا ہے احقرؔ کچھ فکر چراغ شام نہیں

باسطؔ بسوانی

دو وار کر گئے ہیں، وہ ایک ہی نظر میں
کچھ دل میں ہی ہمارے، کچھ درد ہی جگر میں

او پردہ کرنیوالے، او ہمسے چھپنے والے
آخر یہ بات کیا ہے، پھرتا ہے تو نظر میں

فرقت کی رات کاٹی، ہمنے تڑپ تڑپ کر
دل نے تجھے پکارا، سو بار رات بھر میں

کس کام کا تصور، جبتک نہ ہو یہ حالت
میں ہوں تری نظر میں، تو ہو مری نظر میں

طاقت جو دل میں ہوتی، باسطؔ شب جدائی
اک آہ ہم بھی کرتے، ڈوبی ہوئی اثر میں

حافظ غازیپوری

مرحبا لذت شیرینیٔ انکارِ کرم — ہر تمنا مری قربان ہوئی جاتی ہے
اللہ اللہ ترے حسن کی صد رنگ بہار — مری دیوانگی ارمان ہوئی جاتی ہے
کاش بڑھ جائیں ذرا دردِ تبسّم کی حدیں — لذتِ عشق بھی احسان ہوئی جاتی ہے
خامیٔ عشق کی تکمیل ہے احساسِ طلب — فطرتِ کفر بھی ایمان ہوئی جاتی ہے
رد کیے رد کیے نازوں سے تبسم اپنا — نکہتِ حسن پریشان ہوئی جاتی ہے
ہوش بھی اب نہیں مجبوری و مختاری کا — مشکل اک عمر کی آسان ہوئی جاتی ہے
حسن محدود نہیں عشق بھی محدود نہیں — کشمکش شوق کا سامان ہوئی جاتی ہے
شکوۂ بعد نہیں آرزوئے قرب نہیں — بیخودیٔ عشق پہ احسان ہوئی جاتی ہے
حسن کی شوخ نگاہی نے بھی بدلی کروٹ — یہ تو اب درد سے درمان ہوئی جاتی ہے

بوند اک اشک ندامت کی تھی لیکن حافظ
گرمیٔ شوق سے طوفان ہوئی جاتی ہے

حضرت نیاز کی ڈائری

مذاکرات نیاز

ستمبر میں شایع ہو جائے گی پریس جا چکی ہے، اس کی ادبی خوبیوں کا اندازہ بغیر دیکھے ناممکن ہے، اس ڈائری کا ایک ایک جملہ ادبی محاسن کا مستقل دفتر ہے، قیمت مع محصول عہ/ جو حضرات اشاعت سے قبل ۲/ کے ٹکٹ بھیجکر اپنا نام درج کرالیں گے انہیں صرف ۸/ میں دی پی کیا جائے گا،

مینیجر نگار

مولانا شبلی

- سیرۃ النبی جلد اول
- ؍؍ دوم
- ؍؍ سوم
- الفاروق
- سیرۃ النعمان
- الغزالی
- المامون
- سوانح مولانا روم
- سفرنامہ مصر و شام
- علم الکلام
- الکلام
- رسائل شبلی
- مقالات شبلی
- شعر العجم جلد اول
- ؍؍ دوم
- ؍؍ سوم
- ؍؍ چہارم
- ؍؍ پنجم
- موازنۂ انیس و دبیر
- مضامین عالمگیر
- آغاز اسلام ۱۲؍
- کلیات فارسی شبلی
- کلام شبلی اردو

رتن ناتھ سرشار

- سیر کہسار
- خدائی فوجدار
- جام سرشار
- الف لیلہ بطرز ناول
- کامنی

- سوانح عمر و عیار

منشی سجاد حسین مرحوم

- احمق الذی ۸؍
- حاجی بغلول ۸؍
- پیاری دنیا ۸؍
- کایا پلٹ ۸؍
- نکمی بھری ۶؍
- طرحدار لونڈی
- طلسمی فانوس

جوالا پرشاد برق

- مرزا لنی ۱۰؍
- مار آستین ۱۰؍
- بنگالی دولہن ۱۲؍
- معشوقۂ فرنگ ۸؍
- پرتاب ۱۲؍
- روہنی ۱۰؍

مولانا شرر مرحوم

- جنید بغدادی
- ملکہ زنوبیہ
- قرۃ العین
- محمدرات
- جویائے حق
- لعبت چین
- فاتح و مفتوح
- بابک خرمی
- الفانسو ۱۲؍
- ایام عرب
- قیس و لبنیٰ
- یوسف و نجمہ
- زوال بغداد

- مینا بازار
- مقدس نازنین
- رومۃ الکبریٰ
- فلپانا
- شوقین ملکہ
- منصور موہنا ۸؍
- حسن انجلینا ۸؍
- ملک العزیز ورجنا ۱۲؍
- فردوس بریں ۸؍
- حسن کا ڈاکو
- دربار حرام پور ۱۰؍
- غیب دان دولہن
- بدرالنساء کی مصیبت
- میوۂ تلخ ۸؍
- نیکی کا پھل

شوق قدوائی

- ترانۂ شوق
- قاسم و زہرہ ۱۲؍
- نیرنگ جمال

ظفر عمر بی اے

- چوروں کا کلب ۹؍
- نیلی چھتری
- بہرام کی گرفتاری

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

- شعلۂ رنگین ۸؍
- محاصرۂ پیرس
- شیخ چلی
- بہرام کی واپسی
- انقلاب فرانس
- حسن بنارس ۸؍

- فطرتی جاسوس
- ترکی حرم سرا ۸؍
- جنگ طرابلس ۸؍
- بہرام چور
- زر پرست
- کنجی کا راز
- عبدالرحمٰن ناصر
- عروس مصر
- سیلاب خون
- سیاحت زمین
- سیاحت ہوا
- نازنین مراکش ۸؍
- سمندر کی سیر
- اسرار بالشویزم
- دروغ لیلی
- ایمن بک
- حجاج بن یوسف
- یوسف پاشا
- انقلاب عثمانی
- بہرام کی رہائی
- بہرام کی آزادی ۱۲؍
- بہرام کی سرگزشت
- لال کھنڈر
- پر اسرار قتل

ادبی کتابیں

- مکمل شرح دیوان غالب
- بزم خیال
- نشاط سخن
- انشاء انشوال ۶؍
- مکاتیب محسن الملک

- لیلی مجنوں ڈراما ۸؍

مراثی

- مراثی دبیر
- مراثی انیس
- مراثی ضمیر
- مراثی مونس
- مراثی دلگیر

تذکرۃ الشعراء

- تذکرۂ حسینی ۱۱؍
- گلشن ۱۰؍
- سراپائے سخن
- سوانح نظیر اکبرآبادی

دواوین فارسی

- دیوان شمس تبریز
- کلیات عراقی ۱۲؍
- دیوان حافظ
- دیوان بیدل
- دیوان عرفی ۱۲؍
- کلیات جامی
- کلیات غالب
- کلیات صائب
- دیوان ناصر علی ۶؍
- کلیات سعدی
- کلیات حزیں
- دیوان عنصری
- دیوان غنی کشمیری ۶؍
- دیوان ہلالی ۶؍

دواوین اردو

- کلیات ظفر
- کلیات مومن

- دیوان ناسخ
- کلیات میر
- کلیات سودا
- کلیات انشا
- کلیات نظیر اکبرآبادی
- گلزار داغ
- دیوان رند ۹؍
- دیوان ذوق ۱۲؍
- کلیات اسمٰعیل
- مراۃ الغیب
- صنمخانۂ عشق
- فریاد داغ
- دیوان قائم ۸؍
- دیوان شہیدی ۴؍

عجائب و غرائب

- عجائب المخلوقات
- تصویر رنگین
- ؍؍ با تصویر سادہ
- مجمع الفنون
- طلسم فرنگ
- کارخانۂ عالم

رنالڈز کے ناولوں کے ترجمے

- الہ دین دیلی
- فریب حسن
- سوزن عشق
- روز الیمبرٹ
- ناول اسرار
- شام جوانی
- طلسمی فانوس

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

ذیل کی کتابیں نگار بک ایجنسی سے طلب فرمائیے

مینیجر رسالہ "نگار" نظیر آباد لکھنؤ

مطبوعہ مختار پرنٹنگ ورکس نظیر آباد لکھنؤ باہتمام نسیم انہونوی